جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ

لاہور

ب یاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

اپریل
سنہ ۱۹۹۴ء

شوال المکرم
سنہ ۱۴۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد : ۲ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ - اپریل ۱۹۹۴ء شمارہ : ۷

مدیر

سیّد محمود میاں

مُدرّس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک	
پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے	◯ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... " ۴۵ ریال	ماہ . . . . . سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . " ۱۰ امریکی ڈالر	رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . ارسال فرمائیں۔
امریکہ افریقہ . . . . " ۱۶ ڈالر	ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ
برطانیہ . . . . " ۱۷ ڈالر	کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۵۳۸۸

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ———————— ۳
درسِ قرآن ———— حضرت مولانا قاری محمدّ طیبؒ ——— ۵
درسِ حدیث ———— حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۱۰
سیرۃِ مُبارکہ ———— حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمدّ میاںؒ ——— ۱۷
یہ دستورِ کہُن بدلا نہ جائے (نظم) — شاعرِ اسلام سیّد ابن گیلانی ——— ۲۱
مولانا نسیم احمد فریدیؒ ———— شاہد فاروق ——— ۲۲
حدود و قصاص، عورت کی شہادت — حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ——— ۳۱
گردیز کے محاذ پر ———— ڈاکٹر محمود الحسن عارف ——— ۳۹
فرمودات حضرت مدنیؒ ———— حافظ تنویر احمد شریفی ——— ۴۵
کچُھ تو کہیے کہ لوگ کہتے ... ——— ڈاکٹر سرور چاند ——— ۴۷
علمائے اسلام کے القاب ——— قاضی اطہر مُبارک پوُری ——— ۴۸
دارالافتاء ———— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ——— ۵۷
حاصلِ مطالعہ ———— مولانا نعیم الدّینؒ ——— ۶۰

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد۔ یو۔ پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم

آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمّت کو دُنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے اور خرابیوں سے بچتے رہنے کی بار بار ہدایت فرمائی ہے

مخصوص حالات میں بھی خصوصی راہنمائی اور ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

ایسا دَور کہ جس میں بُرائی ظلم وستم بے حیائی عام معمول بن جائے بلکہ خُوبی سمجھی جانے لگے عوام وخواص سبھی اس میں مُبتلا ہو جائیں تو اس سے بچاؤ کے لیے بھی ہمارے سردار حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے طریقہ سکھلایا ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ اُللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مَیں ہی اللہ ہُوں کوئی معبود نہیں سوائے میرے۔ بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ (شہنشاہ) ہوں بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں، اور جب لوگ (عوام النّاس) میری اطاعت کرتے ہیں تو مَیں اُن کے بادشاہوں کے دلوں کو رحمت اور نرمی کی طرف پھیر دیتا ہُوں اور جب لوگ (عوام النّاس) میری نافرمانی شروع کر دیتے ہیں تو مَیں اُن کے (بادشاہوں) کے دلوں کو غُصّہ اور سختی کی طرف پھیر دیتا ہُوں۔ تب

وہ اُن کو دردناک عذاب دیتے رہتے ہیں (آگے بچاؤ کی ترکیب ارشاد ہے) چنانچہ بادشاہوں پر بددُعا کرنے میں مشغول مت ہو بلکہ اپنے آپ کو اللہ کی یاد اور تضرع میں مصروف کرو (یعنی گناہوں سے باز رہ کر اس کی اطاعت میں لگ جاؤ) تاکہ میں تمہارے لیے کافی ہو جاؤں تمہارے بادشاہوں (کے شر) سے" مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص: ۳۲۳ ج: ۲،

موجودہ دور سچ مچ ایسا ہی ہے کہ عام وخاص بُرائی میں پُوری طرح مگن ہے ـــــ لہٰذا حدیث قدسی میں بیان کی گئی ہدایت کی روشنی میں جب تک ہم اپنے گناہوں سے باز نہ آئیں گے اس وقت تک مصیبتوں اور عذاب سے نجات بھی نصیب نہ ہوگی۔

اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے ہمیں سچّی توبہ کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

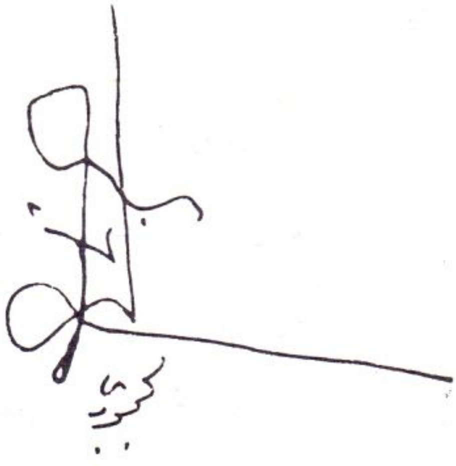

(قسط: ۱۲)

درسِ قرآنِ حکیم

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے سنہ؁ میں ماہ رمضان بمبئی میں گزارا وہاں کے احباب کے اصرار پر آپ پورے رمضان المبارک عشا کی نماز کے بعد درسِ قرآن دیتے رہے۔ ان درسوں میں آپ نے سورۃ الملک پ ۲۹ کی تفسیر بیان فرمائی، آپ کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے محفوظ کر لیے گئے تھے۔ احقر کا اکتوبر ۱۹۸۸ء میں دیوبند جانا ہُوا تو وہاں سے یہ قیمتی کیسٹیں حاصل کر کے لاہور لیتے آیا۔ ارادہ تھا کہ ان قیمتی دروس کو کیسٹوں سے منتقل کر کے کتابی شکل میں چھاپ دیا جائے، لیکن اس کے لیے وقت اور سرمایہ دو چیزوں کی ضرورت تھی اور وہ دونوں مفقود تھیں، اَب جبکہ "انوارِ مدینہ" باقاعدہ نکلنا شروع ہُوا تو خیال آیا کہ ان دروس کو رسالہ میں قسط وار شائع کر کے عوام تک پہنچایا جائے چنانچہ اللہ کا نام لے کر یہ کام شروع کر دیا گیا، احقر کے دو عزیز امجد اور عابد سلمہا اللہ بڑی محنت سے ان دروس کو کیسٹ سے کاغذ پر منتقل کرتے ہیں اور انتہائی غور و خوض کر کے اُن کی تسوید کے بعد یہ کاتب کے حوالے کر دیے جاتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے یہ دروس بیش قیمت موتیوں کا خزانہ اور علوم و معارف کا گنجینہ ہیں ہماری کوشش ہے کہ ہم یہ قیمتی موتی اور علوم و معارف بے کم و کاست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی عوام تک پہنچا دیں۔ اگر اس میں کسی قسم کی غلطی نظر آئے تو اُسے ناقلین کے سہو و خطا پر محمول کیا جائے۔۔

ستاروں سے دو کام لیے جاتے ہیں

تو فرماتے ہیں کہ ان چراغوں سے ہم دو کام لیتے ہیں ایک روشنی کا اور اس کے ساتھ ساتھ دُشمنوں کے دفع کرنے کا، تو مدافعت کا سامان بھی ہمارے یہاں پُورا ہے اور پُوری طاقت موجود ، ساری دُنیا کے شیاطین جمع ہو جائیں وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور وہ دروازے میں بھی قدم نہیں رکھ سکتے وہ تو ذرا قریب پہنچے وہیں سے بم پڑا اُن کے۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ اَب اس کے بعد خیر شیاطین تو ہٹ پِٹا گئے مگر وہ انسانوں کے دُشمن ہیں وہ تو چاہتے ہیں کہ اُنھیں بھی اللہ سے جُدا کر دو تو بہت سوں کو ورغلا نے سے خُدا کی دُشمنی پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ انبیاء کی بھی مخالفت کریں، اولیاء اللہ کی بھی مخالفت کریں، علماء ربّانی کی بھی، صلحاء اُمّت کی بھی سب کے مدِّمقابل آئیں اور ایسی ایسی چیزیں کہیں کہ حق کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے۔ کرتے رہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ اس لیے لائے ہیں۔

اپوزیشن پارٹی دُنیا میں ختم نہیں کی جائے گی

انھیں ہم دُنیا میں تباہ نہیں کریں گے، دُنیا تو آزمائش گاہ ہے، اگر وہیں یہ تباہ ہوجائیں تو حق کے علو کا سامان کیا رہے؟ حق تو باطل ہی کے مقابلے میں اُونچا ہوتا ہے تو باطل بھی باقی رکھیں گے، باقی اخیر میں ایک جیل خانہ ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ ان مجرموں کے لیے تو یہ شیاطین مع اپنے شتونگڑوں کے مع اپنی پارٹی کے سب اُس کے اندر جائیں گے اور وہ اپوزیشن پارٹی وہ ساری کی ساری ختم کردی جائے گی۔ اس لیے کہ حکمرانی کا کارخانہ جنتوں میں خالص حق کا ہوگا۔ باطل کا نشان نہیں دُنیا میں حق اور باطل کی آمیزش تھی۔ دونوں پارٹیاں کنڈم کیں جب وہ مخلوق میں رکھا اور مخلوق کا عالم ختم ہوگیا اب رہ گئے خالص عالم تو جنت خالص حق کا عالم ہے اور جہنّم خالص مصیبت کا عالم ہے ساری اپوزیشن وہاں اور سارے مطیع یہاں الگ الگ کردیے جائیں گے تو وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ان کے لیے ہم نے ایک نہایت ہی کھولتا ہُوا عذاب تیار کر رکھا ہے تو وہ وہاں پہنچا دیے جائیں گے۔ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور جتنے اُن کی پیروی کریں گے اُن شیاطین کی اُن کے لیے وہ ہی کارخانہ موجود ہے وہ سرکاری جیل خانہ کہ جس میں مجرموں کو رکھا جائے گا۔ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔

جہنّم جو سرکاری جیل خانہ ہے اس کی کیفیّت کیا ہو گی؟—

اور ساتھ میں اُن کی کیفیّت بھی بیان کی کہ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ جب وہ داخل کیے جائیں گے جہنّم میں تو جہنّم کے جوش کا یہ عالم ہوگا کہ جیسے غضب ناک ایک چیز ہوتی ہے اور پھٹ پڑے جوش سے ہیبت ناک آوازیں اور اُس کی ہیبت ناک لپیٹیں اور اُس کی ہیبت ناک تیزی یہ معلوم ہوگا کہ جیسے وہ کھول رہی ہے اور غضب ناک ہے پھٹ پڑے گی۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ گویا پھٹ جائے گی غیظ کے سبب۔

جہنّم کے محافظ جہنّمیوں سے سوال کریں گے

اِذَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ جب کوئی پارٹی ڈالی جائے گی کفّار کی تو سوال کریں گے جہنّم کے جو محافظ ہیں نگران ملائکہ کہ اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا

جس نے اس جہنّم سے تمہیں ڈرایا ہو اس عذابِ خداوندی سے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ پہنچا مگر اُن پر اتمام حجّت کے لیے کہ اور اُن میں حسرت پیدا کرنے کے لیے کہ عذاب دوگنا تگنا ہو جائے قوم سے کہیں گے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ کوئی ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں پہنچا کسی نے بتلایا کہ اللہ کا جیل خانہ بھی تیّار ہے۔

جہنّمی جواب دیں گے

قَالُوْا بَلٰی۔ شرمندگی سے کہیں گے کہ ہاں پہنچے، بَلٰی قَدْ جَآءَ نَا نَذِیْرٌ۔ آئے ہمارے پاس ڈرانے والے جنھوں نے حق کا راستہ دکھلایا، محبّت اور پیار سے سمجھایا بَلٰی قَدْ جَآءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا ہم نے اُنھیں جھٹلایا۔ وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اللہ نے کوئی چیز نہیں بھیجی ہے یہ تمہارے بنائے ہُوئے ڈھکوسلے ہیں۔ کچھ مولویوں نے بنالیا ہے، کچھ علماء نے بنالیا ہے، یہ بناتی ہُوئی چیزیں ہیں خُدا نے کوئی چیز نہیں بھیجی اُس نے تو عقل بھیجی وہ ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم سمجھتے ہیں اس سے فَکَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ کَبِیْرٍ وَ قَالُوْا اس وقت وہ کہیں گے لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ کہیں گے، اے کاش ہم کچھ سوچ لیتے یا مان لیتے تو یہ عذاب کا دِن ہمیں نصیب نہ ہوتا۔

حق ماننے کی دو صُورتیں ہیں

اس لیے کہ حق کے ماننے کی دو ہی صُورتیں ہیں یا تو یہ ہے کہ آدمی بلاچون وچرا مان لے کہ یہ کہنے والا حق پر ہے اس کے ساتھ علاماتِ حقانیت بھی تو مان لے تو سمع اور طاعت تابھی کہ کانوں سے سُنا اور اطاعت کی اور اگر محض سُن کر اطاعت نہ ہو کچھ چھان بین کی ضرورت ہے تو پھر عقل دی ہے اللہ نے اس عقل سے غور کرے اور حق کے طلب کرنے کی کوشش کرے تو وعدۂ خداوندی ہے کہ جب عقل لڑا کر چاہے گا آدمی کہ ہدایت پا جاؤں تو ضرور ہدایت دیں گے۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا جو ہمارے رستے میں جدوجہد کرے گا۔ ہم ضرور اُسے راستہ دکھلائیں گے تو دیکھنے کی راستے کے دو ہی صُورتیں ہیں یا سمع واطاعت کہ سُن کر اطمینان کرلے اور مان لے آدمی یا یہ کہ پھر عقل لڑا کر غور کرلے اور سوچ سمجھ کر مانے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دونوں سے کام نہ لیا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ یا ہم سُن لیتے انبیاء کی بات یا خود اپنی عقل سے سوچتے کہ کوئی فرمانروا موجود ہے کوئی بادشاہِ عالمین

موجود ہے تو مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ پھر ہم ان جہنّم والوں میں سے نہ بنتے مگر ہم نے وہ چیز کھودی وہ وقت گزار دیا۔ لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْٓ اَصْحَابِ السَّعِیْرِ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْبِهِمْ

جہنّمی اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے

اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گناہ کا مگر اس وقت اعتراف کرنے سے کیا فائدہ ؟ وہ مثل مشہور ہے کہ اب سوچ سمجھ کر کیا کرو گے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ جب کھیت ہی نہیں رہا اور چڑیاں ہی نہیں ہیں اب اگر تم نے پَرکھا کہ چڑیاں نہیں ہیں تو اب کیا پرکھنا۔ یہ تو مجبوری کا ایمان ہے۔

آخرت میں ہر ایک مومن بن جائے گا

وہاں تو ہر ایک مومن بن جائے گا جاکے۔ آزمائشی ایمان تو دُنیا میں تھا کہ مخالف اسباب موجود تھے، مگر پھر انبیاء کی حقانیت کو سامنے رکھ کر سب چیزوں کو پرے ڈال کر آدمی اطاعت کرتا سُنتا تو کہیں گے افسوس ہم نے وقت کھو دیا۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْبِهِمْ اس وقت اعتراف کریں گے اپنے گنُاہ کا مگر اس وقت جو ب کیا ہو گا۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحَابِ السَّعِیْرِ، پھٹکار ہو ان لوگوں کے لیے اُن کو دُور دھکیل دو یہ قریب بھی نہ آنے پائیں اور زیادہ بعید (دور) سے جہنّم میں ڈال دو فَسُحْقًا لِّاَصْحَابِ السَّعِیْرِ

یہ تو نہ ماننے والوں کا حشر ہُوا ماننے والوں کا کیا بنے گا؟

اب جب مجرموں کی بات بتلا دی تو سوال پیدا ہُوا کہ مطیعوں کا حشر کیا ہوگا ؟ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ اور جو لوگ غیب سے ڈرتے تھے غیب مطلق یعنی حق تعالیٰ کو مانا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ اللہ کو ہم آنکھ سے دیکھ لیں جب مانیں گے۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً ہم تو اُس وقت تک نہیں مانیں گے اللہ کو جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لیں گے تو غیبی چیزیں دیکھ کر نہیں مانی جاتیں سمجھ کر مانی جاتی ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ جو ڈرتے بھی تھے اللہ سے اور اُنہیں خطرہ لگا ہُوا تھا کہ وقتِ آخر آنے والا ہے جس غیب سے ہم یہاں آئے ہیں لوٹ کر پھر اُسی غیب میں جانے والے ہیں۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ جنھوں نے خوف اور خشیت اللہ اختیار کیا قلب کی رقت اور نرمی اختیار کی اور جب کوئی حق کی بات سامنے آئی تو گردن جُھکا دی کہ حق ماننے ہی کے

لیے ہوتا ہے ۔ اُن کے لیے مغفرۃ بھی ہے، یعنی اگر اُن سے کچھ گناہ بھی سرزد ہوئے وہ بخش دیے جائیں گے اس لیے کہ نیّت اُن کی نیک ہے ۔ عقیدت اُن کے قلب میں موجود تھی ۔ بشریت سے کچھ لغزشیں ہوگئیں تو ہماری طرف سے مغفرت تیّار ہے اور جو نیکیاں کیں اس کے لیے اجرِ عظیم تیّار ہے ۔ پاکیزہ ثمرات تیّار ہیں ۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ

ایک کلیہ کا ذکر

آگے پھر ایک کلیہ فرمادیا کہ تم کسی بات کو چھپاؤ یا کھول کر کہو وہ تمہارے دِلوں کی کھٹک سے واقف ہے کوئی چیز تم اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہاں مخلوق سے تم نے پردہ ڈال دیا چھپالی چیزیں مگر وہاں جاکر تو سب عیاں ہو جائیں گی وہ ساری پردہ داریاں، وہ سارے پردے وہاں چاک ہو جائیں گے تو اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۔ کیا پیدا کرنے والا جانے گا نہیں کہ مَیں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟ پہلے تو اسی کو علم ہو گا کہ اس مخلوق میں کیا چیزیں رکھ رہا ہوں کتنی عقل رکھّی ہے مَیں نے کتنا فہم رکھا کتنا علم رکھا تو جو بنانے والا ہے مخلوق کا وہ تو اُس کے اندر باہر سے سب طرح واقف ہے ورنہ وہ خالق ہی کیسا جو واقف نہ ہو تو عقلی دلیل بھی بیان فرمادی اور نقلی بھی ۔ فرمادیا کہ وہ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے اور کیوں نہیں ہو گا عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا خالق بھی نہیں جانے گا مخلوق کو اور کون جاننے والا ہو گا ۔

وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ اور اُس کے لیے پھر دلیل یہ کہ وہ اتنا لطیف ہے کہ جسم سے بھی پاک اور رُوح سے بھی پاک اس لیے وہ تو ہر چیز کی رگوں کے اندر سرایت کیے ہوئے ہے رگ رگ کی اسے اطّلاع ہے اور پتہ ہے ۔

اللہ کی ذات منبع انکشاف ہے

اسکی ذات ہی منبع انکشاف ہے اسے کوئی باہر سے خبر نہیں دیتا اسکی ذات میں سے علم پھُوٹتا ہے جیسے آفتاب میں سے کرنیں پھُوٹا کرتی ہیں وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ، اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ یہ ہُوا گویا پہلے رکوع کا خلاصہ کہ جس کے اندر ذات بابرکات خُداوندی کو بیان کیا گیا ۔ پھر ان صفات کو جو بادشاہی کے لیے ضروری ہیں پھر اُن لوازمِ سلطنت کو جو بادشاہت کے لیے ضروری ہوتی ہیں ۔ اس ایک رکوع کا یہ خلاصہ ہے ۔ اب دُعا کر لیجیے ۔

○

مولایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہٗ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۴، ۴ ستمبر ۱۹۸۱ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علی خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمد وّآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

زندگی اللہ کا انعام ہے

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو یہ زندگی عطا فرمائی ہے درحقیقت یہ اُس کا انعام ہے، اگر کوئی آدمی اس انعام کو ختم کرنا چاہے تو گناہگار ہوگا، اور اس طرح ختم کر کے خودکشی کرلے گا تو عذاب ہوگا۔ جس چیز سے خودکشی کی ہے جس طرح وہ مرا ہے وہی تکلیف اُس کی چلتی رہے گی۔ ویسے چاہے وہ تھوڑی دیر بعد خود ہی مرجاتا، خون زیادہ بہنے سے یا کسی اور چیز سے، لیکن اُس نے فرض کرو کہ خودکشی کر لی تو یہ جو تکلیف ہُوئی، یہ جو اُس نے کام کیا ہے یہ شدید چیز بن جائے گا

ایک شخص کے خودکشی کرنے کا قصّہ

حدیث شریف میں ایک شخص کا قصہ اسی طرح کا آتا ہے۔ بہت اچھی طرح لڑتا رہا، صحابہ کرام نے تعریف کی آپ نے فرمایا وہ تو اہلِ نار میں ہے۔ تردُد ہُوا صحابہ کرام کو، دیکھتے رہے اُسے، زخمی ہُوا جب وہ تو اُس نے

پھر یہ کیا کہ تلوار اُلٹی کرکے خود اپنے آپ اس کے اُوپر اُلٹا ہوگیا۔ اور اس طرح اس نے جان دی صحابہ نے آکر بتلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ بھی بتلایا کہ ہم لوگوں کو یہ تردُّد تھا کیونکہ اُس نے لڑنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ دُشمن کا اِکّا، دُکّا آدمی جہاں کہیں ملتا تھا یہ اُس کی تاک میں رہتا تھا کہ کوئی میدان جنگ میں سے ذرا سانس لینے کے لیے اِدھر ہُوا یا اُدھر ہُوا یہ اُسے نہیں چھوڑتا تھا اس طرح اس نے بہت آدمی مارے اُن کے، تو ہمیں اس کے بارے میں یہ سُن کر تردُّد اور شُبہہ ہوگیا تھا، ہوسکتا ہے کہ شُبہہ یہ ہو کہ جو مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممکن ہے وہ کوئی اور شخص ہو۔ پھر آپ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَیُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ بُرے آدمی سے بھی اللہ تعالیٰ دین کا کام لے لیتے ہیں۔ ایسے ہوتا رہتا ہے کہ دین کا کام وہ کر رہا تھا، وہ تمہاری نظر میں تھا باقی جو اس کا تعلق خُدا کی ذات کے ساتھ تھا وہ اس طرح کا نہیں تھا کیونکہ خُدا کی ذات کے لیے جو لڑتا ہے بس وہ ہے جہاد، باقی ناموری یا بہادری ظاہر کرنا یا کوئی اور غرض ہو جائے داخل اس میں، وہ جہاد نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ شرک سے بے نیاز ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ[1] مَیں تو بہت بے نیاز ہُوں شرک سے۔ یعنی شرک جہاں آیا میں اس کو چھوڑ دیتا ہُوں اس کے حال پر، میرے سے اس کا تعلق جو ہے وہ کم ہو جائے گا جس کو اس نے شریک کیا ہے اپنے ذہن میں پھر وہ جانے اور وہ جانے، تو تعلق مع اللہ بڑی ضروری چیز ہے۔

تکالیف آتی رہتی ہیں

اَب یہ زندگی جو ہے یہ نعمت ہے خُدا کی دی ہُوئی، اَب رہیں تکالیف تو تکالیف آتی رہتی ہیں، آتی بھی رہتی ہیں جاتی بھی رہتی ہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ تنگی کے ساتھ یُسْر آسانی لگا رکھی ہے اللہ نے فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ ڈبل ذکر فرمایا۔ بار بار ذکر فرمایا۔ ایسے ہوتا رہتا ہے۔ کبھی یہ حال کبھی وہ حال اور اس میں ثواب ہے جب پریشانی آئے گی تو ثواب ہوگا۔

---

[1] مشکوٰۃ، ص: ۴۵۴

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا وعظ فرمانا

ایسے ہُوا کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ صحابہ کرام بیٹھے ہُوئے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں آپ نے ہمیں وعظ فرمایا اور وعظ ایسا فرمایا کہ طبیعت میں اس سے رقّت پیدا ہوگئی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ رونے لگے اور زیادہ دیر روئے اور پھر اُنھوں نے یہ جملہ کہا یَالَیْتَنِیْ مُتُّ" میں مرگیا ہوتا، توجناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "یَا سَعْدُ! أَعِنْدِیْ تَتَمَنَّی الْمَوْتَ؟" یعنی میری زندگی میں میرے پاس ہوتے ہُوئے، میرے ساتھ رہتے ہُوئے تم موت کی تمنّا کرتے ہو، یہ زندگی اور جو ساتھ ہے یہ تو آخرت کی تیّاری کے اعتبار سے بہت ہی قیمتی ہے تو اس تیّاری میں کمی آئے گی اگر جلدی موت ہوجائے تو، تو یہ تو غلط بات کر رہے ہو۔ اور تین دفعہ فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہی جملہ، ارشاد فرمایا پھر کہ دیکھو آدمی اگر آخرت اچھی ہونی ہے اس کی، جنّت میں جانا ہے اس نے تو بس یوں سمجھو "فَمَا طَالَ عُمْرُكَ وَحَسُنَ عَمَلُكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔"[۱] عمر جتنی بھی لمبی ہوجائے اور نیکیاں جتنی بھی زیادہ ہوجائیں یہ تمہارے لیے بہتر ہی ہونا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے مناقب

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں ہیں۔

جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ماموں ہیں۔

جو بہت بہادر ہیں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بڑے پسند تھے۔

ایک دفعہ آئے تو فرمایا کہ دیکھو یہ میرے ماموں ہیں۔ کسی کا ہے ایسا ماموں رشتے میں؟ رشتہ ہوتا ہے سبب نہیں ہوتا، رشتہ بنتا تھا اس رشتے سے وہ ماموں لگتے تھے۔

اور ہاتھوں میں کوئی ایسی طاقت اُن کے اللہ نے بخشی تھی کہ وہ تیر اندازی میں نہیں ہارتے تھے۔ تھکتے ہی نہیں تھے، تو معرکوں میں ایسا بھی ایک معرکہ ہُوا ہے کہ جو آدمی بھی گزرا تیر لیے ہُوئے آپ نے فرمایا کہ تم تیر انہیں دیتے جاؤ، اور ان کے لیے دُعا فرمائی آپ نے کہ اے

---

[۱] مشکوٰۃ، ص: ۱۴۰۔

اللہ ان کا تیر سیدھا لگے۔

اور فرمایا کہ اللہ ان کی دُعا قبول فرمالے جب بھی یہ دُعا کریں، ایک دفعہ خوش ہو کر فرمایا "فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ"[1] فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ محاورہ ہے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، تو یہ ہے اس زمانے میں جب صرف تین آدمی مُسلمان ہُوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ مَیں اس وقت مسلمان ہوگیا تھا ایک ہفتے تک میں اسلام کا ایک تہائی رہا ہُوں۔

فاتح ایران ہیں یہ، قادسیہ اور دوسرا معرکہ جو ہے اُنھوں نے ہی فتح کیا۔

حضرت خبّاب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا آپ نے نام مُبارک سُنا ہو گا جب وہ مُسلمان ہو گئے تو اُنہیں انگاروں پہ لٹا دیتے تھے سارے مل جل کے، لفنگے، غنڈے جمع ہُوئے، پہلوان جمع ہُوئے اور مذاق اُڑایا اور ایذاء رسانی کی حتّٰی کہ اُن کے کمر کی چربی نظر آنے لگی تھی۔ آخری دَور کی بات ہے فرماتے ہیں تکلیف ہوئی کوئی اور اس میں ایسے ہو جاتا ہے بعض دفعہ کہ علاج پہلے بھی کیا کرتے تھے اَب بھی ہے وہ علاج، نکسیر کسی کا بند نہ ہو تو ٹانکا لگاتے ہیں تاکہ وہ بند ہو جائے، اس طرح کی کوئی تکلیف تھی، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ علاجوں میں جو چند چیزیں ہیں، تین چیزیں ذکر فرمائیں۔ فرمایا کہ ایک علاج یہ بھی ہے۔ یعنی دُرست ہے بلا شُبہہ ٹھیک ہے، لیکن مَیں اپنی اُمّت کو اس علاج سے منع کرتا ہُوں۔ میری اُمت میں جو مُسلمان ہیں جو میری بات مانتے ہیں وہ نہ کریں ایسے۔

تو بلاوجہ یا تھوڑی تکلیف پر یا بہت سی بیماریوں کا علاج تھی یہ چیز، تو وہ تو بند کر دی گئی۔ اَب رہ گئی وہ بیماری کہ جس کا اس کے سوا کوئی علاج ہی نہ ہو تو اس میں ایسے ہے کہ احادیث میں ملتا ہے کہ اُنھوں نے کیا ہے ایسے۔ اَب اُن کو تکلیف تھی اس تکلیف میں اُنھوں نے سات جگہ اپنے دغوایا، داغ لگوایا "کَیْ" یا سات دفعہ لگوایا بظاہر یہ کہ سات جگہ اُنھیں تکلیف تھی اور اُنہیں یہ علاج کرنا پڑا تو فرمانے لگے مَیں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ سُنا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ ص: ۵۶۷۔

موت کی تمنّا کرنا نقصان ہے

"لَا يَتَمَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ" اگر مَیں نے یہ نہ سُنا ہوتا آپ سے، کہ آپ نے منع فرمادیا ہے کہ موت کی تمنّا کوئی نہ کرے کیونکہ موت کی تمنّا نقصان ہے اگر کوئی تکلیف بیں ہے تو اجر مِل رہا ہے اُسے اور جتنا وقت مل رہا ہے وہ آخرت کے لیے اس کو نیکی کا اور موقع مل رہا ہے جو بعد میں نہیں ملے گا۔ موت کے بعد تو عمل ختم ہوگیا۔ موت کے بعد تو پھر جزا کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے تو اگر مَیں نے یہ نہ سُنا ہوتا لَتَمَنَّيْتُهٗ تو پھر میں تمنّا کرلیتا اس قدر تکلیف ہوئی ارشاد فرمایا۔

زیادہ مال امتحان ہوسکتا ہے

وَلَقَدْ رَاَيْتُنِىْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اور کچھ یہ پیسوں سے بھی پریشان ہوتے تھے کہ پیسے آگئے تھے یہ گھبراتے تھے کہ یہ جو آگئے ہیں تو کہیں آخرت کی چیزوں میں کمی نہ آجائے اس سے بہتر تھا کہ ہم یہاں سے چلے ہی جائیں، چنانچہ وہ بیچ میں لے آئے کہ مَیں تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دَور میں اس حالت میں تھا۔ مَا اَمْلِكُ دِرْهَمًا کہ ایک درہم بھی ایک روپیہ بھی میرے پاس نہیں ہوتا تھا اور۔ وَاِنَّ فِىْ جَانِبِ بَيْتِى الْاٰنَ لَاَرْبَعِيْنَ اَلْفُ دِرْهَمٍ اور اب تو میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں گویا ایک جسمانی تکلیف اور ایک اُنھیں یہ تھی ذہنی کوفت کہ ہمارے پاس جو روپیہ ہے یہ کہیں امتحان تو نہیں ہے، اس کے بعد اُن کے پاس لا گیا اُن کا کفن منگایا اُنھوں نے۔

کفن کا کپڑا رکھنا درست ہے

وہ (کفن) تیّار رکھنا یا کفن کا کپڑا رکھنا یہ ثابت ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں بھی ثابت ہے ایک عورت آئی اور اُس نے آپ کو ایک چادر پیش کی اور اُس نے کہا کہ مَیں نے اپنے ہاتھ سے تیّار کی ہے اس لیے جناب پہنیں اور اتّفاق یہ کہ اس وقت آپ کے پاس کمی تھی چادر کی ضرورت تھی۔ وہ آپ نے لے لی پہن لی۔ ایک صحابی نے دیکھا اور اُنھوں نے کہا کہ یہ بہت ہی اچھی لگ رہی ہے مجھے بہت ہی اچھی لگ رہی ہے کئی دفعہ جب اُنھوں نے کہا تو اتنی تعریف کرنا بھی

ایک طرح کا مانگنا جیسا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دے دی۔ اُنھوں نے جب لی تو ساتھیوں نے کہا کہ یہ تم نے بہت بُرا کیا۔ تمھیں یہ پتہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت تھی اور تم نے اُکْسِنِیْھَا کہہ دیا۔ یہ تو مجھے دے دیجیے۔ تم جانتے ہو۔ اِنَّہٗ لَا یَرُدُّ سَائِلًا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانگنے والے کو منع نہیں فرماتے۔ پھر تم نے ایسے کیوں کیا؟ وہ کہنے لگے میں نے تو اس لیے لی ہے کہ میرا کفن بن جائے اور زندگی کا نقطہ نظر وہی تھا ان کا، یعنی کیا پتہ اس مجلس کے بعد موقع بھی نہ مل سکے۔ میں مانگ ہی نہ سکوں۔ تو اس طرح ذہن میں اُن کے ہر وقت رہنا تھا، آخرت کی تیاری اُن کے سامنے ہر وقت رہتی تھی۔ وہ تصوّر اور بُرائیوں سے رُکنا تمام چیزیں تھیں تو آپ نے منع نہیں فرمایا کہ اُس نے بُرا کیا یا کسی ساتھی نے کچھ نہیں کہا۔ یہ تو دلیل ہوئی اس بات کی کہ صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے چنانچہ کفن لایا گیا تو اُنھوں نے دیکھا، تو ابھی تو وہ کہتے تھے کہ میرے پاس اتنے درہم ہیں کفن آیا تو اُنہیں ایک اور بات یاد آگئی۔ رونے لگے پھر فرمانے لگے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ جو چچا تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ جب اُنہیں کفن پہنایا گیا تو ایک چادر تھی وہ بھی چھوٹی سی اور ایسے تھی کہ جب اُن کا سر ڈھانپتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور جب پاؤں ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ اُنہیں کفن ہی نہیں ملا پورا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ان کے سر پہ تو چادر ڈھانپ دو اور پاؤں کے اُوپر گھاس ڈال دو۔

تو اُن کا حال تو یہ رہا، میرا حال یہ ہے کہ میرے پاس پُورا کفن موجود ہے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف توجہ دلائی کہ انسان کو اس زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیے کوئی آدمی موت کی تمنّا نہیں کر سکتا۔ کوئی آدمی خودکشی نہیں کر سکتا۔ کوئی آدمی کسی وقت بھی اجر سے خالی نہیں جا سکتا۔ اگر وہ نیکی کر رہا ہے تو نیکیاں بڑھ رہی ہیں انسان کو حوصلہ دینے والی بہت بڑی بڑی چیزیں ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائیں۔

اور فرما دیا یہ تو امانت ہے تمہارے پاس یہ زندگی اور یہ انعام ہے خُدا کا۔ اس امانت میں کوئی تصرف تم نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں آپ کا ساتھ نصیب فرمائے آمین۔

○

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو

ہجرتِ مدینہ کی اجازت

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

فتنۂ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کی خاطر کسی امن کی جگہ جا کر پناہ لینے کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا۔ اسی غرض سے ایک جماعت حبشہ گئی تھی اور حضرت ابو سلمہ، حضرت عامر بن ربیعہ، حضرت عبداللہ بن جحش بن رماب وغیرہم کو جب معلوم ہوا کہ یثرب میں اُن کو امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ سے پہلے ہی یثرب چلے آئے تھے۔[1]

پھر جب مدینہ کے چند افراد کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اسلام کی دعوت دی تو آپ نے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا تھا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بہ نفس نفیس اُن کے ساتھ چلیں مگر مدینہ کی فضا خانہ جنگی کے باعث خراب تھی تو ان حضرات نے اس وقت تعمیلِ فرمائش سے معذرت کر دی تھی، لیکن یہ سب باتیں اُس وقت تک اس بناء پر تھیں کہ وہاں امن مل جانے کی توقع تھی لیکن جس مقصدِ عظیم کے لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت ہوئی تھی اس کو سامنے رکھ کر کس مقام کو مرکز بنایا جائے جو ضرورت کے وقت ایک مضبوط محاذ بھی ثابت ہو سکے۔ یہ اَب تک طے نہیں ہُوا تھا۔ اسی اثناء میں ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مجھے تین[2] مقامات بتائے گئے ہیں کہ اُن میں سے کسی کو منتخب کر لو۔ مدینہ بحرین یا قنسرین۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مکّہ سے ہجرت کر کے ایک ایسے مقام پر جا رہا ہوں جہاں کھجور کے باغات ہیں۔ مجھے خیال ہُوا کہ یہ مقام یمامہ ہو گا یا ہجر[3] لیکن جس طرح اہلِ مدینہ نے اسلام کا استقبال کیا اس نے طے کر دیا کہ یہ مرکز وہ ارض پاک ہے جس کو یثرب کہا جاتا تھا۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۱ ج ۱ فتح الباری ص ۱۸۰ ج ۷ [2] ترمذی شریف و فتح الباری ص ۱۸۱ ج ۷ [3] بخاری شریف ص ۵۵۱

جسے بعد میں مدینۃ النبی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا غیر فانی اسمِ گرامی اختیار کیا انتہا یہ کہ مقام عقبہ پر جو آخری بیعت ہوئی اُس میں باقاعدہ وعدہ ہوگیا کہ حضرات مہاجرین وہاں پہنچیں گے اور اہلِ مدینہ ان کا انتظام کریں گے۔ چنانچہ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اجازت دے دی بلکہ ایک اصول طے ہوگیا کہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنا قیام گاہ بنائے۔[1]

سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ رُوئے انور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے عاشق جاں نثار اور حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام۔ یہ ان دونوں سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ مگر اسی اُصول کی پابندی نے اُن کو ہجرت پر مجبور کیا۔[2] چنانچہ بیعتِ عقبہ کے بعد ہجرت کرنے والوں میں حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت سعد کے اسماء گرامی سب سے پہلے ہیں۔ ان کے بعد سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیس نفر کے قافلہ کے ساتھ تشریف لائے اور قبا میں رفاعہ بن عبد المنذر کے یہاں فروکش ہوئے۔[3] پھر رفتہ رفتہ جس کو موقع ملا وہ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچتا رہا۔ (رضی اللہ عنہم)

شوقِ استقبال

حضرات انصار نے اس دعوت پر ہی اکتفا نہیں کی جو بیعت عقبہ کے سلسلہ میں دے چکے تھے۔ بلکہ بیعت کے بعد جب مدینہ واپس آگئے تو یہاں سے چند حضرات مکہ تشریف لے گئے اور حضراتِ مہاجرین کے ساتھ واپس ہوئے اُن کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔[4]

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دُعا کی تلقین اور ہجرت کا اشارہ

سورۂ اسراء کی چند آیتیں یہ ہیں۔

---

[1] قرآن حکیم نے سچّا مومن اسی کو قرار دیا جو ہجرت کرکے آئے یا ہجرت کرنے والوں کے لیے قیام کا انتظام کرے اور راہِ خدا میں جان اور مال سے جہاد کرے۔ (سورۂ انفال کی آخری آیت)

[2] فتح الباری ص: ۲۰۸، ج: ۷ [3] ایضاً ص: ۲۰۹ ج: ۷

[4] ان حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ حضرت ذکوان بن عبد قیس۔ حضرت عقبہ بن وہب بن کلدہ۔ حضرت عباس بن عبادہ بن فضلہ۔ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم (ابن سعد ص: ۱۵۲، ج: ۱)

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ
مَشْهُوْدًا وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا
وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ
سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا　(آیات ۷۸ تا ۸۰)

ترجمہ: اے رسول نماز قائم کر سورج ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے کے وقت تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کے وقتوں میں) اور نماز فجر میں خاص اہتمام سے قرآن پڑھو۔ بلا شبہ صبح کے وقت تلاوتِ قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جس میں حاضری زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے[۱][۲]

اور اے نبی رات کا کچھ حصّہ (یعنی پچھلا حصّہ) شب بیداری میں بسر کر۔ یہ تیرے لیے ایک مزید عمل ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو (جس کی تعریف کی جاتی ہے) اور تیری دُعا یہ ہونی چاہیے کہ اے پروردگار (مجھے جہاں کہیں پہنچا تو) سچائی کے ساتھ پہنچا اور (جہاں کہیں سے نکال تو) سچّائی کے ساتھ نکال۔ اور مجھے اپنے حضور سے قوّت عطا فرما ایسی قوّت کہ (ہر حال میں) مددگاری کرنے والی ہو۔

(آیات ۷۸ تا ۸۰ سورۃ: ۱۷، اسراء)

تشریحات: ۱۔ سورۂ اسراء جس کا آغاز معراج کے واقعہ سے ہُوا۔ اسی کے نویں رکوع کی یہ آیات ہیں جن میں اس دُعا کی تلقین ہُوئی ہے رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ۔ (جہاں سے نکالنا ہو سچّائی کے ساتھ نکال اور جہاں پہنچانا ہو سچّائی کے ساتھ پہنچا۔ جن میں بقول ابن عبّاس (رضی اللہ عنہما) ہجرت کا ایماء ہے۔[۳]

۲۔ معراج شریف ابتلاء اور آزمائش کے اس نازک دَور میں ہُوئی جب آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے حامی اور مددگار یعنی بنو ہاشم۔ شعب ابی طالب میں پناہ گزین اور محصور تھے اور اہلِ مکّہ اور

۱؎ آفتاب پرستوں کی عبادت طلوع آفتاب کے وقت ہوتی ہے اور توحید پرستوں کی عبادت اس سے پہلے ہوتی ہے۔ یا اس وقت جب ان معبودانِ باطل کا زوال ہوتا ہے۔

۲؎ رات اور دن کے کارپرداز فرشتے اس وقت جمع ہوتے ہیں۔ (بخاری شریف ص: ۶۸۶ و ۹۰)

۳؎ ترمذی شریف کتاب التفسیر ص: ۱۴۲، ج: ۲۔

بالفاظِ دیگر پوری دُنیا آپ سے بائیکاٹ کیے ہوئے تھی۔

اسی شب میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں جن کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے۔ اُن کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی تعلیم اور عملِ متواتر سے فرمائی۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونے کا دور۔ اور اس کے بعد کے سال وہ تھے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے رفقاء کی مظلومیت، لاچارگی اور بے مائیگی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی ایسی حالت میں کون اُمید کر سکتا تھا کہ اُنہیں مظلومینوں سے فتح اور کامرانی پیدا ہو سکتی ہے، لیکن وحیِ الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہیں تھی بلکہ ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوعِ انسان کے لیے عظمت اور ارتفاع کی سب سے آخری منزل ہے۔ عَسٰٓی اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

فضل و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیتِ خلائق کی عالمگیر اور دائمی عظمت حاصل ہو جائے کوئی عہد ہو کوئی مُلک ہو۔ کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہو گی اَن گنت زبانوں پر اُس کی مدحت طرازی ہو گی۔ محمود یعنی سرتاسر محمود ہستی ہو جائے گی

مَا شِئْتَ قُلْ فِيْهِ فَاَنْتَ مُصَدِّقٌ فَالْحُبُّ يَقْضِىْ وَالْمَحَاسِنُ تَشْهَدُ

جو تعریف تم کرنا چاہو کر لو۔ تمہاری تعریف درست اور تم راست گو ہو گے۔ محبّت کا یہی تقاضا ہے اور محاسن و کمالات اس کی شہادت دیتے ہیں۔

یہ مقامِ انسانی عظمت کی انتہا ہے اس سے زیادہ اُونچی جگہ اولادِ آدم کو نہیں مل سکتی اس سے زیادہ انسانی رفعت کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی اور ہمّت ہر طرح کی بلندیوں تک اُڑ سکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ رُوحوں کی ستائش اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے خالقِ کائنات اس کی مدح کرے اور وہ کائناتِ انسانی کی اس وقت مدد کرے جس وقت ہر ایک نفس خواہ وہ نفسِ عوام ہو یا نفسِ خواص کسی ولی مقرب کا نفس ہو یا کسی اولوا العزم نبی مرسل کا نفس۔ نفسی نفسی پُکار رہا ہو

۳۔ جس اولوا العزم نبی اور رسول کے بلند ترین درجات کا زینہ معراج تھا اور سطحِ اعلیٰ مقام محمود اسی کی حیاتِ مقدسہ کا اہم واقعہ "ہجرت" ہے۔

یہ ترکِ وطن معاذ اللہ جان بچانے کے لیے نہیں تھا بلکہ اس جہادِ عظیم کے لیے تھا جس کا

ثمرہ مقام محمود ہے۔

یعنی رحمتِ کاملہ اور امنِ عالم کی وہ مقدس دعوت جس کا نام اسلام ہے جس کے مبلّغین اور داعیانِ کرام کی تربیت تیرہ سال تک مکّہ کی سنگلاخ امتحان گاہ میں ہوتی رہی۔ اَب وقت آیا ہے کہ اس کو وقفِ عام کیا جائے اور ایک شہر یا ایک علاقہ یا ملک کی تنگنائی سے نکال کر پُورے عالم کو اس سے آشنا کیا جائے اور وہ تمام مشقتیں برداشت کی جائیں اور تمام مصیبتیں جھیلی جائیں جن کی نذر پیش کرنا ایسی غیر معمولی عظیم الشّان دعوت کے لیے ضروری ہے جس کی بناء پر رہتی دُنیا تک آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعریف ہوتی رہے اور قیامت کو مقامِ محمود کا شرف اعظم حاصل ہو۔

یہ ترکِ وطن اسی جہادِ عظیم کے لیے تھا، اسی لیے یہ ایک ایسا شرف تھا کہ اگر اللہ رب العالمین کو منظور نہ ہوتا کہ یہ شرف عطا کیا جائے تو محبوب رب العالمین (صلّی اللہ علیہ وسلّم) مکّی یا ہاشمی اور قریشی ہونے کے بجائے حضرات انصار میں سے ہوتے۔[1]

اسی ہجرت نے اس موقف کی بُنیاد رکھی جہاں سے رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اعلان فرمایا: یَآ اَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۂ اعراف آیت ۱۵۸)

(اے افرادِ نسلِ انسانی میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہُوا آیا ہوں، وہ خُدا کہ آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہت اسی کی ہے)۔

مسجد جو اسلامی تعلیمات کے بموجب حیاتِ اجتماعی کی علامت بلکہ شرطِ اوّل ہے۔ اس ہجرت کے بعد ہی وہ پہلا دن میسّر آیا جس میں تاسیس مساجد کا سلسلہ شروع کیا گیا۔[2] اسی پہلے دن کو اسلام کی نشأت اجتماعی کا پہلا دن مانا گیا جس سے اسلامی (سنہ ہجری کا آغاز کیا گیا۔[3]

---

[1] لَوْلَا الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ امْرَاً مِّنَ الْاَنْصَارِ۔ بخاری شریف ص: ۵۳۳ [2] قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ قَالَ السھلی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ حَلَّ النبیُّ صلّی اللہ علیہ وسلّم بدار الھجرۃ (تفسیر مظہری) [3] بخاری شریف ص: ۵۶۰ حدیث سہل رض)

یہ دستورِ کُہن بدلا نہ جائے

○

جدھر ان کا نشانِ پا نہ جائے　کسی منزل کو وہ رَستا نہ جائے
اُسے ملنے کی کوشش کر رہا ہوں　جِسے دیکھوں تو وہ دیکھا نہ جائے
کہیں سودائی بے شک اہلِ دانش　مِرے سَر سے تِرا سودا نہ جائے
یہی اِک فکر، دُنیا دار کو ہَے　کہ اُس کے ہاتھ سے دُنیا نہ جائے
ہر اِک بُت کو خُدا کہنا پڑے گا　خُدا کو اِک اگر مانا نہ جائے
گریباں چاک مَیں کیوں کر رہا ہوں　اُنہیں پُوچھیں مجھے روکا نہ جائے
بنا ڈالے گا وہ بستی کو صحرا　جو دیوانہ سوئے صحرا نہ جائے
اَنَا الحق کہہ رہا ہُوں، سَر اُڑا دو　یہ دستورِ کُہن بدلا نہ جائے
جہاں ہو شمع روشن کب ہَے ممکن　وہاں سے زندہ پھر، پروا نہ جائے
یہ دُنیا رہگذر ہَے گھر نہیں ہَے　یہاں چلتے رہیں سویا نہ جائے
وفا یہ ہَے وفا کر اُس سے تُو، خواہ　وفا کو بھی وفا سمجھا نہ جائے
اگر ایمان ہو لَا تَقْنَطُوْ پر　گنہگاروں کو کیوں بخشا نہ جائے
خفا ہو مانگنے والوں سے داتا　نہیں ایسا کبھی سوچا نہ جائے
اِسی میں بندگی کا گُر ہَے پِنہاں　کسی بندے کا دل توڑا نہ جائے

عداوت مول لے کر ظالموں سے
ابیؔن تُو بے خطا مارا نہ جائے

○

شاہد فاروق
(واہ کینٹ)

(قسط:۲، آخری)

مولانا نسیم احمد فریدیؒ

ذوق شاعری

مولانا نسیم احمد فریدی شعری ذوق سے بہرہ ور تھے۔ اُنھوں نے تقریباً تمام اصناف شعر میں طبع آزمائی کی۔ نعتیہ شاعری میں اُن کا ایک خاص مقام تھا۔ اس سلسلے میں انہیں منشی عزیز احمد صاحب عزیز تلمیذ مظفر خیر آبادی (جو امیر مینائی کے شاگرد تھے) سے تلمذ حاصل تھا۔ منشی عبدالرب شکیب سے بھی شعر و شاعری میں مشورہ لیا تھا۔ دَرحقیقت منشی صاحب نے ہی مولانا فریدی کا شعری ذوق پختہ کیا تھا۔ مولانا فریدی اُن کی شاگردی اختیار کرنے سے پہلے "امداد" تخلّص کرتے تھے لیکن منشی شکیب صاحب نے ان کا تخلّص امداد سے بدل کر فریدی کر دیا

مولانا نسیم احمد فریدی کا زیادہ تر کلام نعت اور منقبت پر مشتمل ہے جو مختلف دینی رسائل و جرائد میں چھپتا رہا ہے۔

ذوقِ تصنیف و تالیف

درس و تدریس اور افتاء کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف سے بھی اُن کی دل چسپی تھی اُنھوں نے متعدّد کتب اور بیسیوں مقالے لکھے جن میں خداداد بصیرت اور علمی و فنّی کاوش کا پُورا پُورا حق ادا کیا۔ مولانا کا تصنیفی سفر پچاس برسوں پر محیط ہے۔ مولانا نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ جب اُن کی عُمر دس بارہ سال کے لگ بھگ تھی۔ اُن کے دِل میں کتاب تصنیف کرنے کا شوق پیدا ہُوا اور چند کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب تیّار کر لی اور اس کا نام "مجمع البیان" رکھا تھا۔

مولانا کے باقاعدہ تصنیفی سفر کا آغاز ۱۹۳۸ء میں ہُوا جب اُنھوں نے الفرقان (بریلی) کے "مجدّد الف ثانی نمبر" میں "تذکرہ خلفاء مجدّد الف ثانی" کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا۔ اس کے بعد الفرقان میں مسلسل لکھتے رہے۔

خصوصی موضوع

مولانا کی علمی جد و جہد کے دو خاص موضوع تھے ۔ ایک مشائخ سلسلہ مجدّدیہ اور دوسرا اکابر فضلائے دارالعلوم دیوبند ۔ اُنھوں نے امامِ ربّانی مجدّد الف ثانیؒ سے لے کر مجدّدی سلسلے کے معاصر اکابر و مشائخ کی سوانح حیات اور اُن کے ایمان افروز مکتوبات و ملفوظات (جو عموماً فارسی میں تھے) کو اُردو دان قارئین کے لیے سادہ و سلیس اور دلکش زبان میں منتقل کرنے کو اپنا مقصدِ حیات بنایا تاکہ صدیوں تک تزکیۂ باطن کا کارنامہ انجام دینے والے یہ مکتوبات اور ملفوظات نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوسکیں ۔

مولانا کا اندازِ تحریر ایسا پُر اثر اور اَدبی حلاوت لیے ہوئے ہے کہ اُن کی تحریریں متأثر کیے بغیر نہیں رہتیں ۔

مولانا کو تلخیص میں بہت مہارت حاصل تھی ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کے مقالہ "الف ثانی یا ہزار دوم کا تجدیدی کارنامہ" کا خلاصہ ان کے قلم سے "الفرقان" کے "افادات گیلانی نمبر" میں شائع ہوا ہے ۔ (جولائی ۱۹۵۷ء) ۔ تلخیص بظاہر آسان کام نظر آتا ہے لیکن یہ اتنا آسان بھی نہیں سب سے پہلے انسان کو کتاب ، جس کی تلخیص مقصود ہوتی ہے ، کے سارے مباحث ذہن میں نقش کرنے ہوتے ہیں اور پھر انتخاب کا مرحلہ آتا ہے ۔ مولانا فریدی کو اس کام میں بڑی مناسبت تھی ۔ اُنھوں نے خلاصہ نگاری کا جتنا کام کیا ہے ۔ یہ اپنی مثال آپ ہے ۔

مولانا کا تحقیقی معیار بہت اُونچا تھا ۔ وہ کسی موضوع پر کُتب کی تلاش میں برسوں لگے رہتے اور دُور دراز کے شہروں کا سفر کرتے اور بالآخر ایسی جگہوں سے کتابیں ڈھونڈ نکالتے جہاں سے ان کے ملنے کی قطعاً اُمید نہ ہوتی تھی ۔

کُتب و مقالات

تجلّیات ربّانی

یہ کتاب مولانا نسیم احمد فریدی کا سب سے اہم علمی کارنامہ ہے ۔ یہ حضرت مجدّد الف ثانی کے مکتوبات کی تلخیص اور ترجمہ ہے ۔ تاریخ اصلاح و تجدید کے سلسلے میں ترجمہ و تلخیص کی یہ پہلی کڑی ہے ۔ مجدّد الف ثانی کے مکتوبات کے بعض تراجم پہلے بھی شائع ہوچکے تھے لیکن اُن کی افادیت اور اثر آفرینی بہت کم تھی ۔ مولانا نے ان مکتوبات کا ترجمہ بالکل نئی طرز پر کیا ۔

دیکھا جائے تو امام ربانی کے مکتوبات کا مکمّل ترجمہ عام مسلمانوں کے لیے مفید نہ ہوتا کیونکہ اس کا ایک بڑا حصّہ ایسے مضامین پر مشتمل ہے جسے عام پڑھے لکھے افراد نہیں سمجھ سکتے اور نہ اُن سے جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو دلچسپی ہے۔ مولانا فریدی نے اُن مکاتیب کی تلخیص پیشِ نظر رکھی ہے جن کا مطالعہ عام مسلمانوں کے دلوں میں اتّباع شریعت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔

مکاتیب کے اس مجموعے کے شروع میں مولانا فریدی کے قلم سے چالیس صفحات کا مقدّمہ ہے جس میں مولانا نے حضرت مجدّد کے مختصر حالات زندگی تحریر کرنے کے بعد "مکتوبات امام ربانی" کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے نیز حضرت مجدّد کے قدیم و جدید ناقدین کی تنقید کا جائزہ لیا ہے۔

مکتوبات کا یہ ترجمہ و تلخیص پہلی بار کتب خانہ الفرقان لکھنؤ کی جانب سے دو جلدوں میں شائع ہوئی تھی۔ بعد میں پاکستان سے بھی اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

مکتوبات خواجہ محمدؒ معصوم سرہندیؒ

یہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور جانشین خواجہ محمد معصومؒ سرہندی کے ان اصلاحی و تربیتی علمی و احسانی مکاتیب کا ترجمہ و تلخیص ہے جو "مکتوبات معصومیہ" کے نام سے معروف ہیں۔

مولانا فریدی کی اس تصنیف سے اُردو داں طبقے کو پہلی بار خواجہ محمد معصومؒ کے مجتہدانہ کارناموں اور دینی بصیرت کا اندازہ ہوا ہے۔ یہ کتاب نقش بندی سلسلے کے لٹریچر میں بیش قیمت اضافہ ہے۔ حضرت عبدالقادر رائے پوریؒ نے اس ترجمہ و تلخیص کو بہت پسند کیا تھا۔

مولانا فریدی نے مکتوبات معصومیہ کے ترجمہ و تلخیص کے علاوہ ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ اس کے آغاز میں صاحبِ مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ کی مختصر سوانح حیات شامل کر دی۔ دوسرا علمی اور تحقیقی کام یہ کیا کہ ساٹھ سے زائد مکتوب الیہم کے مختصر حالات، تذکرہ و تراجم کی مستند کتابوں سے مرتّب کر کے حواشی کے طور پر شامل کر دیے۔

کتب خانہ الفرقان نے اس ترجمہ و تلخیص کو "مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی" کے نام سے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا تھا۔ اس سے پہلے یہ ترجمہ ماہنامہ "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا تھا۔

تذکرہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ مع صاحبزادگان وخلفاء
اس کتاب میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے اخلاف اور منسلکین کے حالات تحقیق اور جستجو سے جمع کیے گئے ہیں۔ اس تذکرے میں صاحبزادگان کے نام اور کام کے بارے میں بہت سی دل چسپ معلومات پہلی بار یکجا ہوئی ہیں۔

حضرت باقی باللہؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ خورد کے بارے میں ایک قلمی رسالہ اُنھوں نے کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد سے ڈھونڈ نکالا اور اس کا انتخاب اس تذکرے کے تیسرے جزو کے طور پر بزمِ خواجہ خورد کی ایک جھلک کے عنوان سے شامل کیا جس نے اس مختصر تذکرے کو بہت دقیق بنا دیا ہے۔

یہ تذکرہ بھی پہلے بالاقساط ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ میں چھپا تھا۔ بعد میں ۱۹۷۸ء میں کتب خانہ الفرقان نے شائع کیا۔

وصایا حضرت شیخ شہاب الدینؒ سہروردی
شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی شخصیت اہلِ علم کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت سہروردی تصوف کے مشہور "سلسلہ سہروردیہ" کے بانی اور "عوارف المعارف" جیسی بلند پایہ کتاب کے مصنّف ہیں۔ مولانا فریدی نے ضلع مظفر گڑھ کے قدیم قصبے "پھلت" کے کُتب خانے سے شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے وصایا کا ایک مخطوطہ دریافت کیا۔ مولانا فریدی نے ان وصایا کے قابلِ قدر اور اثر آفرین ہونے کے پیشِ نظر ان کا ترجمہ و انتخاب مرتّب کر کے ماہنامہ "الفرقان" میں بالاقساط شائع کرایا۔

بعد میں یہ ترجمہ و انتخاب کتابی صورت میں بھی کتب خانہ "الفرقان" نے شائع کیا۔

فرائدِ قاسمیہ
مولانا فریدی کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بے پناہ عقیدت تھی اور اُن کی تصانیف سے حد درجہ شغف تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے استفادہ کرنے والوں اور عقیدت مندوں میں ایک نام حافظ عبدالغنی صاحب پھلاودی کا بھی ہے جنھوں نے مولانا نانوتویؒ کی غیر مطبوعہ تحریریں (مقالات اور مکتوبات) جمع کر کے اس مجموعے کا نام فرائدِ قاسمیہ رکھا تھا ــــــــ فرائدِ قاسمیہ کا واحد خوشخط لکھا ہوا نسخہ

حافظ پھلاودی صاحب کے کُتب خانے کی زینت تھا۔

مولانا فریدی نے یہ نسخہ حافظ پھلاودی صاحب کے کتب خانے سے لے کر اس کا عکسی ایڈیشن شائع کرانے کا اہتمام کیا۔ اُنہوں نے اس کتاب کے آغاز میں سولہ[۱۶] صفحات کا مقدمہ شامل کیا جو مقدمہ نگاری کا بہترین نمونہ ہے اس مقدمہ میں اُنہوں نے حافظ عبدالغنی پھلاودی کا تعارف کرایا، فوائد قاسمیہ کی اہمیّت پر روشنی ڈالی اور مکتوب الیہم کے مختصر حالات درج کیے ہیں۔ فوائد قاسمیہ کی اکثر تحریریں تلامذہ اور مستفیدین کے نام مکاتیب کی صورت میں ہیں جن میں مختلف علمی سوالات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ مولانا نے اس کتاب کو منظرِ عام پر لا کر فیوضِ قاسمیہ کو عام کرنے کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے کیونکہ اس واحد قلمی نسخے کے ضائع ہوجانے کا امکان موجود تھا۔

مولانا فریدی کے مقدمہ اور تعارف کے سولہ صفحات کے علاوہ اصل کتاب کی ضخامت ۲۴۲ صفحات ہے۔ "فوائد قاسمیہ" حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات کے ٹھیک سو سال بعد ۱۹۸۰ء میں ادارۂ ادبیات دہلی سے شائع ہُوئی۔

مکتوبات شاہ ولی اللہؒ

شاہ ولی اللہؒ کے ساتھ مولانا فریدی کی عقیدت کا مُنہ بولتا ثبوت اُن کا مکتوبات شاہ ولی اللہ کا ترجمہ ہے۔

مولانا نسیم احمد فریدی نے شاہ ولی اللہؒ کے خطوط کا ایک قلمی مجموعہ مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کے کُتب خانے میں دریافت کیا تھا۔ اس مجموعے کے ایک حصّے میں شاہ ولی اللہ کے وہ خطوط تھے جو شاہ محمد عاشق پھلتی کے فرزند شاہ عبدالرحمٰن پھلتی نے جمع کیے تھے اور دوسرے حصّے میں وہ مکتوبات تھے جو شاہ عبدالرحمٰن پھلتی کی وفات کے بعد اُن کے والد شاہ عاشق پھلتی نے فراہم کیے تھے۔

مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ کی وفات کے بعد اُن کے فرزند نے خطوط کا یہ مجموعہ مولانا فریدی کو نقل کرنے کے لیے چاندپور سے دیوبند بھیج دیا۔ مولانا فریدی نے بڑی محنت کے ساتھ اس نسخے کو خوشخط نقل کیا اور اس میں سیاسی مکتوبات علیحدہ کر کے مع اُردو ترجمے کے اپنے بھانجے جناب خلیق احمد نظامی کو دے دیے جو اُنھوں نے مقدمہ وحواشی کے ساتھ "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے چھپوا دیے۔

باقی چار سو سے زائد خطوط دینی اور علمی موضوعات پر تھے۔ مولانا فریدی نے اُن کا انتخاب اور ترجمہ کیا اور مکتوب الیہم کے حالات حواشی کی صورت میں تحریر کیے۔ (کہا جاتا ہے کہ اس وقت اُن کی بینائی جا چکی تھی اور اُنھوں نے یہ خطوط اپنے رفقاء سے پڑھوائے اور انہیں ترجمہ لکھوایا) اس طرح دو سو سے زیادہ خطوط کی یہ ایک جلد بن گئی۔

شاہ ولی اللہؒ کے خطوط کا ایک اور نادر نسخہ جو حیدر آباد کے مخطوطات و نوادر کے ذخیرے میں مدفون تھا۔ اُنہیں حکیم عبد الحمید (دواخانہ ہمدرد۔ دہلی) نے عکس کروا کر بھیجا اور مولانا نے ان خطوط کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ ان خطوط کی تعداد ایک سو تھی اور سب کے سب انتہائی نادر اور اہمیت کے حامل تھے۔

ایک سو خطوط کے اس مجموعے کو اُنھوں نے دوسری جلد کے طور پر مرتب کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے خطوط کی یہ دو جلدیں اُنھوں نے وفات سے بہت پہلے تیّار کر لی تھیں صرف مقدمہ اور طباعت باقی تھی۔

مولانا فریدی کی اس علمی خدمت کو چھپوانے کا ذمّہ ادارہ ہمدرد دہلی نے لیا تھا، لیکن یہ خطوط مولانا کی زندگی میں نہ چھپ سکے اور شاید ابھی تک ادارہ ہمدرد نے اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہیں کی ہے۔

مکتوبات سیّد احمد حسن محدّث امروہویؒ

مولانا سیّد احمد حسن محدّث امروہویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ممتاز ترین شاگرد تھے حضرت نانوتوی کے بہت سے مکاتیب اِنہیں کے نام ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی کی زندگی کا سب سے آخری تصنیفی کام "سیّد احمد حسن" کے مکاتیب کی ترتیب و تدوین تھا۔ مولانا احمد حسن کے مکاتیب کا بڑا ذخیرہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو اُنھوں نے مولانا سیّد حافظ عبد الغنی پھلاودی کو لکھے تھے۔ مولانا فریدی نے خطوط کا وہ تمام ذخیرہ جس میں ۱۵۱ مکتوبات تھے۔ پھلاودہ ضلع میرٹھ سے حاصل کیے۔ مولانا فریدی اِن مکاتیب کے بارے میں فرائد قاسمیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"حضرت مولانا امروہوی کے مرسلہ مکتوبات بنام حافظ صاحب پھلاودی، بڑی

تعداد میں ہیں جن میں سو سے زائد پوسٹ کارڈ ہیں اور کچھ کم پچاس لفافے ہیں۔ یہ خطوط حضرت مولانا نانوتوی رح کے زمانہ حیات کے آخری حصے سے لے کر حضرت مولانا امروہوی کی وفات تک کے ہیں۔ یہ مجموعہ بھی ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے جس میں ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سے لے کر حضرت مولانا امروہوی کی وفات کے قریبی زمانے تک کے خطوط ہیں امروہہ، مراد آباد، دیوبند، گنگوہ وغیرہ کے بزرگوں کا ذکر ہے اور اس زمانے کے اہم واقعات کا تذکرہ ملتا ہے یہ خطوط بھی اگر شائع ہو جائیں تو معلومات کی بہت سی راہیں کھلیں"۔

(فرائد قاسمیہ، مقدمہ ص : ۳)

مولانا نسیم احمد فریدی مرحوم زندگی میں ہی مکتوبات سید العلماء کے کام سے فارغ ہو چکے تھے ان کی یہ خواہش تھی کہ اس کتاب کا مقدمہ حضرت مولانا علی میاں دامت برکاتہم تحریر فرمائیں۔ حضرت مولانا کو مولانا فریدی مرحوم کی اس خواہش کا علم ان کی وفات کے بعد ہوا۔ چنانچہ مولانا علی میاں نے مکتوبات سید العلماء کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق ابھی تک یہ مکتوبات شائع نہیں ہوئے۔ خدا کرے جلد از جلد یہ مکتوبات منظر عام پر آجائیں۔

تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہید رح

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رح نے اصلاح اُمّت کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ جس طرح دشمنانِ اسلام کے خلاف ان کی تلوار بہت سخت تھی اسی طرح شرک و بدعت کے خلاف ان کی زبان و قلم کے وار بڑے کاری تھے ان کی کتاب "تقویۃ الایمان" نے شرک و بدعت کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اسی لیے بعض خوش عقیدہ لوگوں نے ان کے خلاف مستقل محاذ کھول دیا اور علماء اہلِ سُنّت نے شاہ اسمٰعیل کا دفاع کیا ہے۔

مولانا فریدی مرحوم کا رسالہ "تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہید رح" ابتداءً مولانا محمد منظور نعمانی کی کتاب "شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندانِ اہلِ بدعت کے الزامات" کے ایک باب کے طور پر شائع ہوا تھا۔ بعد میں رسالہ الفرقان نے اسے مستقل رسالے کی صورت میں شائع کر دیا۔ مختصر ہونے کے باوجود یہ رسالہ شاہ صاحب کے سوانحی پہلو پر ایک اچھی تحریر ہے۔ یہ رسالہ چھوٹے سائز کے ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

مکتوبات اکابر دیوبند "مکتوبات اکابر دیوبند" میں دیوبند کے بلند پایہ اکابر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت شاہ عبدالغنی رح مجددی مہاجر مدنی، حضرت مولانا قاسم رح نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح، حضرت مولانا یعقوب رح نانوتوی، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین رح حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح دیوبندی کے بیش قیمت مکتوبات جمع کیے گئے ہیں۔ اسے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اوّل حضرت شاہ رفیع الدّین رح صاحب دیوبندی کے سعادت مند نواسے نورالحق عثمانی نے یکجا کیا اور اس کی جدید ترتیب مولانا نسیم احمد فریدی نے کی۔

آغاز کتاب میں مولانا نسیم احمد فریدی کے قلم سے تیرہ ۱۳ صفحات کا مقدمہ شامل ہے جس میں انھوں نے ان مکاتیب کی قدر و قیمت اور اہمیّت پر روشنی ڈالی ہے جناب نورالحق عثمانی کے یہاں اکابر و مشائخ کے جو دوسرے افادات ہیں ان کا تعارف ہے۔ مولانا فریدی مرحوم کے مقدمہ سے ان مکاتیب کی علمی اور تاریخی اہمیت اُجاگر ہوتی ہے۔

چند مکتوبات فارسی زبان میں ہیں۔ ان کا اُردو ترجمہ بھی شامل کتاب ہے۔

معراج بک ڈپو دیوبند نے یہ کتاب شائع کی ہے جو متوسط کتابی سائز کے ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ہندوستان کا سب سے پہلا سفر نامہ حجاز مولانا الحاج شاہ رفیع الدّین فاروقی تلمیذ رشید شاہ ولی اللہ رح کا سفرنامہ حرمین ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۰۲ھ کا ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی کو یہ سفرنامہ پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ذخیرہ کتب سے ملا اور اُنھوں نے اس کی اہمیت کا اندازہ لگایا اور اس کا ترجمہ کر دیا جسے "الفرقان" کی خصوصی اشاعت (اپریل، مئی ۱۹۶۱ء) میں شائع کیا گیا ہے۔ حج کے سفرناموں میں اس سفرنامے کو خاص اہمیّت حاصل ہے۔ اس میں بحری سفر، جہازوں کی حالت، ملاحوں اور بندرگاہوں کے بارے میں بہت دلچسپ معلومات درج ہیں۔

قافلۂ اہلِ دِل یہ کتاب مرزا مظہر جانِ جاناں کے خلیفہ و جانشین حضرت عبداللہ رح المعروف بہ شاہ غلام علی نقشبندی مجدّدی کے حالات، ملفوظات، مکتوبات اور خلفاء کے حالات پر مشتمل ہے۔

شاہ غلام علی رح کے ملفوظات "دُرالمعارف" کے نام سے شاہ رؤف احمد نے بڑی محنت سے جمع کیے تھے۔ مولانا فریدی نے اپنے مخصوص انداز میں ان ملفوظات کا خلاصہ اپنے مضامین میں جو الفرقان میں

شائع ہوئے پیش کر دیا ہے۔ پھر "قافلہ اہلِ دل" کے نام سے اُن کے خلفاء کا بڑا جامع تذکرہ ترتیب دیا۔ جو اُن کی وفات کے بعد کتب خانہ الفرقان نے شائع کیا۔

مجمع البیان | آٹھ صفحات کا یہ مضمون مولانا فریدی کی سب سے پہلی تالیف ہے۔ مولانا نے خود اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ جب ان کی عمر دس گیارہ سال کے لگ بھگ تھی تو اُن کے دل میں ایک کتاب تصنیف کرنے کا شوق پیدا ہُوا اور چند کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی کتاب تیار کر لی جس کا نام "مجمع البیان" رکھا

"مجمع البیان" کا موضوع سیرت و اخلاقِ نبوی صلّی اللہ علیہ وسلّم ہے۔

تذکرہ خلفاءِ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ | یہ رسالہ حضرت شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ کے خلفاء کا مختصر مگر جامع تذکرہ ہے۔ مولانا فریدی کے قلم سے لکھا ہُوا یہ تذکرہ جھنجھانہ سے شائع ہُوا ہے۔

شاہ ابوسعید حسنیؒ | اس مقالے میں حضرت شاہ ابوسعید رائے بریلوی کے مختصر حالات، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے خاندان سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ساتھ ہی اُن کے ایک گمنام خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر خالص پوری کا بھی تذکرہ شامل ہے۔

شاہ عبدالرحیم و ابوالرضاؒ | یہ مقالہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم فاروقیؒ دہلوی اور عم مکرم حضرت شاہ ابوالرضا فاروقیؒ دہلوی کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے

سراج الہند شاہ عبدالعزیزؒ محدّث دہلوی | یہ کتاب حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے حالات، ملفوظات اور مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

کاروانِ اہلِ فضل و کمال | یہ تذکرہ حضرت شاہ محمّد اسحاقؒ محدث دہلوی مہاجر مکّی اور آپ کے شاگردوں کے حالات پر ہے۔ جو "الفرقان" میں قسط وار شائع ہو چکا ہے۔

نوّاب مصطفیٰ خان شیفتہ کا سفرنامہ (تلخیص) | اس سفرنامے کی آپ نے تلخیص و ترجمہ کیا۔

زیارتِ حرمین | یہ مولانا نسیم احمد فریدی کا اپنا سفرنامہ حج ہے جو اپنے اندر ایک خاص جاذبیت رکھتا ہے۔ پڑھنے سے رُوح کو سکون ملتا ہے یہ سفرنامہ وہ ہر سال ماہ ذی الحجہ میں اپنے بعض خدام سے سُنا کرتے تھے اور روایت کے مطابق ان پر وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

(باقی صفحہ ...)

قسط: ۲ آخری

حدود و قصاص ○ عورت کی شہادت
اسلامی قانونِ شہادت

شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحب قدس سرہ العزیز

بانی جامعہ و سابق امیر مرکزیہ جمعیۃ علماء اسلام

حال ہی میں حدود و قصاص میں عورت کی گواہی پر اسلامی نظریاتی کونسل کی قرار داد پر اخبارات میں چند خواتین نے اظہارِ ناراضگی کیا ہے جو کہ قانون سے ناواقف ہیں۔ اس سے پہلے ایسا ہی ردِ عمل ۱۹۸۳ء میں اسی قسم کی ناواقف خواتین و حضرات کی طرف سے ہُوا تھا۔ جس کا جواب اُس وقت حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں صاحبؒ نے تحریر فرمایا تھا اِس وقت چونکہ وہی صُورتحال ہے لہٰذا اس مضمون کی افادیت بھی بر قرار ہے اسلیئے ضرورت محسوس ہُوئی کہ بعینہ یہ مضمون دو قسطوں میں شائع کر دیا جائے۔" ادارہ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید مضمون شہادت کا ایک حصہ روز نامہ جنگ میں ۶ مارچ کو شائع ہوگیا تھا اس کے بعد اس موضوع پر متعدد حضرات کے مضامین طبع ہوتے رہے چونکہ میرا مخاطب کوئی فرد نہیں بلکہ مسئلہ پیشِ نظر ہے اس لیے ان مضامین میں جو اشکالات سامنے آئے ان کے جوابات لکھ رہا ہوں اُن میں یہ بات قدرِ مُشترک کے طور پر ہر ایک نے کہی ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں عورتوں کی حالت اور تھی اَب اور ہے۔ اس زمانہ میں علم عام نہ تھا۔ اَب عورتیں پڑھی لکھی ہوتی ہیں۔ پی ایچ ڈی ہوتی ہیں، وکیل ہوتی ہیں ڈاکٹر ہوتی ہیں (ایف آر سی پی) لہٰذا مَردوں کے برابر ہی اُن کی شہادت کا درجہ قرار دینا چاہیے. جیسے کہ مغربی ممالک میں ہوتا ہے۔

اس اشکال کے بارے میں یہ عرض ہے کہ

تقابل نوع کا نوع سے ہوتا ہے ① تقابل نوع کا نوع سے ہُوا کرتا ہے۔ کیا واقعی پُوری دُنیا کی عورتیں اہلیّت میں پُوری دُنیا کے مَردوں کے برابر ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ لہٰذا یہ دعوٰی غلط ہے کہ مرد اور عورت اہلیّت میں برابر ہوتے ہیں اور جب قدرت کی عطا

کردہ اہلیّت میں برابری نہیں ہُوئی تو یقیناً درجۂ اوّل اور درجۂ دوم کا فرق ماننا پڑے گا اور یہ خود قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۔ اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

(سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸ پ۲)

سرجن ہوں یا پی ایچ ڈی یا قانون دان اور حکام ذرا شمار تو کریں کہ آج ترقی یافتہ اور خاص مغربی ممالک میں کتنے مرد ہیں اور کتنی عورتیں، نیز رُوس میں جب سے کمیونزم آیا ہے کتنے مرد صدر اور وزیرِاعظم ہُوئے اور کتنی عورتیں، اور امریکہ میں کتنے مرد صدر ہُوئے اور کتنی عورتیں۔ بقول بعض جب وہاں مرد و عورت برابر ہیں تو یقیناً ظُلم کی وجہ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا پھر یا تو رُوس چین اور امریکہ میں عورتوں کو حکومت کرنے کا شوق ہی نہیں ہے یا قدرتی ساخت اور اہلیّت میں درجہ بندی کی وجہ سے ہی وہاں حکومت پر نہیں آسکیں۔ کسی مقالہ نگار نے اس طرف توجّہ نہیں دی جو نا انصافی ہے۔

یورپ مرد عورت مساوات، آزادی، بے شرمی، خود شوہر ڈھونڈنا۔

یورپ میں عورت مرد میں جو مساوات ہے وہ آزادی، بے شرمی، خود اپنے لیے شوہر پسند کر لینے اور مرد کو طلاق دے سکنے میں ہے۔ اگر یہاں کی عورتیں طلاق کا حق لے کر سمجھتی ہیں کہ وہ مَردوں کے برابر ہو جائیں گی تو اس کے بارے میں پہلے ہی عرض کر چکا ہُوں کہ اس کی اسلام میں بھی گنجائش ہے۔ مقالہ نگار حضرات نے مذکورہ بالا آیت اور اُس کے ہم مضمون دوسری آیات کو بھی یکسر نظر انداز کر دیا۔ ایسا کیوں کیا؟ کیا یہ قرآن میں نہیں ہیں۔

قرآن پاک ہی میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ مَرد عورتوں کے معاملات کے انچارج ہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک پر بڑائی دی۔

(سورۃ النساء آیت نمبر ۳۴ پ۵)

یہی قرآنِ پاک میں ہے یہی دُنیا میں ہو رہا ہے کیونکہ یہی حقیقت ہے باقی سب لفّاظی اور تصنّع ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔

وراثت کے احکام میں ارشاد ہُوا۔

لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۔　　ایک مَرد کا حصّہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

(سورۃ النساء آیت ۱۱ پ۴)

یہ کہنا کہ پہلے زمانہ میں عورتوں میں حافظہ وعلم نہ تھا اپنی تاریخ سے بے خبری پر مبنی ہے۔

② مقالہ نگار حضرات اور عوام کا یہ کہنا کہ اس زمانہ میں عورتوں میں حافظہ اور علم نہ تھا یہ بات بالکل ہی بے بُنیاد اور اپنی ہی تاریخ سے بے خبری پر مبنی ہے۔ عرب کی آب و ہَوا میں رہنے والے لوگوں کا حافظہ آج بھی ہمارے علاقہ کے باشندوں کے حافظہ سے بہت بہتر ہے۔ اسلام کی آمد کے زمانہ میں اور اس سے پہلے عورتیں شاعر ہوتی رہی ہیں عربی زبان، شعر وادب کی تاریخ میں عورتوں کی قوّت حفظ و شعر کے عجیب عجیب واقعات موجود ہیں خَنْسَاء وغیرہ مشہور شاعر گزری ہیں اور ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بہت ہی بڑی عالم تھیں۔ حضرت صفیہ جیسی نو اب خاندان کی اور نواب کی بیوی بھی ازواجِ مطہرات میں تھیں ازواج مطہرات اور بنات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم میں کم از کم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت موجود ہی تھیں جب شہادت کی یہ آیت مُبارکہ اُتری۔ کیا یہ علم اور وحی کے گہوارہ میں ملنے والی کم سمجھ کم علم اور جاہل تھیں؟

مکّہ مکرّمہ کے بچّے بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اسی لیے لین دین کے معاملات میں لکھنے کا حُکم نازل ہُوا

③ ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ اس زمانہ میں لوگ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ یہ بات بھی اپنی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے مکّہ مکرّمہ کے بچّے بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اُن کا پیشہ تجارت وصنعت تھا۔ وہ ہر سال شام و یمن کے ششماہی تجارتی سفر کرتے رہتے تھے۔ دُنیا کی اعلیٰ تہذیب یافتہ قوموں میں جاتے اور وہاں کے لوگوں سے گھلتے ملتے رہتے تھے مکّہ مکرّمہ سے مہاجرین جَب مدینہ منوّرہ آئے تو یہاں بھی یہی ماحول ہوگیا۔ اسی لیے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں لین دین وغیرہ معاملات میں لکھنے کا حُکم اُترا اس آیت میں خود لکھنا جاننے کی ترغیب ہے۔ نیز جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حُکم فرمایا تھا کہ ہر شخص اپنی وصیت لکھ کر رکھے۔ بخاری شریف ص ۳۸۲ ج ۱۔ اور یہ حُکم اس وقت دیا تھا

کہ جب تک میراث کے احکام نہ اُترے تھے۔

کیونکہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اگرچہ لکھنے کے لیے کاغذ عام نہ تھا اس لیے کاغذ نہ ہوتا تو چمڑے، لکڑی کی تختیاں اور پتے وغیرہ بھی کام میں لائے جاتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا کافی حد تک رواج تو خود سورۂ بقرہ میں قرآنِ پاک کی اس آیتِ شہادت ۲۸۲ ہی سے ثابت ہو رہا ہے ورنہ کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو مشکل کام کا حکم فرمایا جس پر وہ عمل نہ کر سکتے تھے۔

لہٰذا اہلِ مغرب اور مستشرقین کی تحریرات سے متأثر ہو کر یہ کہہ دینا کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ عورتیں جاہل اور کم سمجھ ہوتی تھیں غلط ہے اور تاریخِ اسلام کے منافی ہے ابتدائی دور میں بچوں کو لکھنا سکھانے کا عام دستور تھا یُعَلِّمُ الْمُعَلِّمُ الْغِلْمَانَ الْكِتَابَةَ بخاری ج ۱ ص ۳۹۶۔ حضرت عائشہ رضؓ کی رائے تو یہ ہو گئی تھی کہ عورتوں کو لکھنا مت سکھاؤ۔ قرطبی ج ۱۲ ص ۱۵۸۔

حدود میں عورتوں کی گواہی نہ رکھنے کی ایک حکمت، نہ مکلّف ہوگی نہ گناہ ہوگا

یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ گواہی دینے والے کی طرف سے دوسرے فریق کے دِل میں بُرائی آتی ہے اور گواہ نشانہ بنتا ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں پھر اگر عورتوں کی گواہی سخت سزا والے جرائم میں جاری رکھی جاتی جیسے کہ گواہ کے لیے گواہی دینے کا تاکیدی حکم موجود ہے تو آپ خود ہی غور کریں کہ وہ آپس کی دُشمنی میں نشانہ ضرور بنیں گی تو پھر کیا حال ہوگا ؟ عورتوں سے دشمن کا بدلہ لینا بھی آسان ہے اور مَردوں کے کام پر چلے جانے کے بعد گھروں میں اکیلی رہتی ہیں۔ مکانات کے دروازے بھی کھلے رہتے ہیں۔ اُن کی گواہی واجب کر دینے میں عقلاً یہ خرابی بھی لازم آتی ہے جس میں نفع کم اور نقصان عظیم ہے یہ خدا کی رحمت ہے کہ اُس نے عورت کی شہادت ہی حدود میں ساقط کر دی۔ نہ مکلف ہوگی نہ گناہ ہوگا کہ گواہی کیوں نہیں دی۔

شہادت کے موضوع پر طبع ہونے والے مضامین سے مَیں یہ سمجھا ہُوں کہ اکثر لوگ سزاؤں اور حدود میں فرق نہیں جانتے۔ اسی طرح وہ شہادت اور خبر کا فرق بھی نہیں جانتے۔ اس فرق کو مدِّنظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ شریعت پاک نے یہ فرق بتلایا ہے۔

تعزیر اور حدود میں فرق حدود خاص جرائم کی خاص سزائیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرّر فرما دی ہیں اور

مُجرم پر اس کے اقرار یا گواہوں کی شہادت کے بعد حاکم مجبور ہوتا ہے کہ حدّ یعنی وہ خاص سزا جاری کرنے کا حُکم دے دے اور اُسے یہ اختیار ہی نہیں ہوتا کہ وہ اس میں کمی بیشی کر سکے ایسی تمام صُورتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی شہادت اِن کی ادنیٰ کمزوری کی وجہ سے (جو حافظہ کی ہو یا اعصابی قُوّت کی) ساقط کر دی ہے۔ عورتوں کو مکلّف ہی نہیں کیا کہ وہ گواہی کے لیے پیش ہوں۔ لہٰذا ایسے جرائم میں اُن کے پیش نہ ہونے اور گواہی نہ دینے سے کوئی گناہ نہ ہوگا۔ کچھ سخت جرائم کی یہ سزائیں ایسی ہیں کہ اُن میں انسان کی جان یا اس کا عضو مثلاً ہاتھ یا عزّت یا جان اور عزّت سب تلف ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے ثبوت کے لیے سخت ترین شرائط مقرر فرمائی گئی ہیں۔ کیونکہ ثبوت کے بعد پھر حاکم کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ مجبور ہوگا کہ حکم خداوندی کی رو سے سزا کا حکم سُنا دے۔

حدّ کی ایک خاص شکل

بلکہ حدّ کی ایک شکل تو ایسی ہے کہ اس میں ایک دو دفعہ حاکم کے سامنے مُجرم کے اقرار کر لینے پر بھی یہ حکم ہے کہ حاکم اُدھر توجّہ نہ دے بلکہ اسے ٹلانے کی کوشش کرے۔ مثلاً زنا کا اقرار اگر حاکم کے سامنے زانی چار مرتبہ کرے گا تب وہ سزائے حدّ کا حُکم دے گا گویا چار گواہوں کی گواہی ہو گئی کیونکہ زنا کے ثبوت کے لیے دو گواہ بھی کافی نہیں قرار دیے گئے بلکہ چار گواہ ہونے ضروری ہیں۔

گواہی صریح ہو گی، گول مول نہیں

اور وہ بھی گول مول الفاظ میں نہیں، صریح الفاظ میں گواہی دیں گے تو مانی جائے گی ورنہ نہیں۔ وہ پُوری طرح یہ بیان دیں گے ہم نے بلا حجاب ایسا فعل دیکھا ہے اگر یہ بیان نہ دے سکیں تو حُکم ہے کہ نہ اس کا تذکرہ کریں نہ گواہی کے لیے پیش ہوں، البتہ ایسی صُورت میں وہ یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ ہم نے انہیں اس طرح ناجائز حالت اور حرکات کرتے دیکھا ہے اس پر قاضی انہیں کوئی مناسب سزا دے گا اسے تعزیر کہا جائے گا۔ حدّ لگانے کا حُکم نہیں دے سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ خود زنا کا چار بار اقرار کرلے۔

خود اقرار کرنا گواہوں کے مقابلہ میں کم وزن ہے

لیکن اس کا اقرار چاہے چار دفعہ ہی ہو گیا ہو پھر بھی وہ چار گواہوں کے برابر وزنی نہیں شمار فرمایا گیا۔ اس لیے اگر یہ مجرم سنگسار کیے جاتے

وقت اپنے اقرار سے پھر جائے تو فوراً سزا روک دی جائے گی، کیونکہ سزا بھی اس کے اقرار ہی کی وجہ سے تھی اور وہ نہیں رہا۔ لہٰذا سزا بھی نہ رہے گی اور اُسے چھوڑ دیا جائے گا۔

سنگسار کے بجائے گولی مار دینا، شریعت اور رجوع کا موقعہ

چند سال قبل سعودی عرب کے ایک عالم ڈاکٹر معروف دوالبی پاکستان آئے تو انھوں نے پاکستان کے نجِ علماء سے تبادلہ خیال کے وقت اس بات سے اتّفاق کیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنے کے بجائے گولی سے مار دینا ہونی چاہیے۔ پھر وہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے گئے اُن کے سامنے اس رائے کا قصہ سُنایا۔ تو مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ شریعت نے سنگسار کرنے کی سزا رکھی ہے اور اگر وہ ایک دو پتّھر کھانے کے بعد اپنے اقرار سے رجوع کرے تو اُس کی سزا فوراً موقوف کر دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ بات گولی سے سزا دینے میں نہیں ہے وہ تو گولی کھاتے ہی مر جائے گا اسے رجوع کا موقعہ جو شریعت نے دیا تھا وہ آپ نے ختم کر دیا۔ اس گفتگو کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے شریعت کے حکم کی حکمت کی تعریف کی اور اپنی رائے کی غلطی تسلیم کی۔

زنا گواہی سے ثابت ہونے کی صُورت میں بھی رجوع کا احتمال ہے

گواہوں کی وجہ سے اگر ثبوت ہُوا ہو تب بھی یہ احتمال ہے کہ چار میں سے کوئی ایک گواہ سزا ملتے دیکھ کر اپنے بیان سے رجوع کر لے تو بھی سزا موقوف کر دی جائے گی۔

لیکن یہ بات کہ چار گواہ ہوں تب حدّ جاری کی جائے گی صرف زنا کی صُورت میں ہے باقی حدود میں دو گواہ کافی ہوتے ہیں۔

زنا میں چار گواہ ہونے کی عجیب حکمت

کیونکہ زنا کی سزا میں انسان کی جان اور عزّت دو چیز بن جاتی ہیں۔ اس لیے گواہ ہوں تو چار اور حاکم کے سامنے اقرار ہو تو چار بار ہو تب حدّ لگانے کا حکم دیا جا سکے گا۔ ورنہ نہیں۔

سخت ترین سزائیں سخت احتیاط

اس تفصیل کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو سخت ترین سزائیں رکھی ہیں اُن میں سخت احتیاط کا بھی حکم دیا ہے۔ بالفاظِ دگر اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ گناہگار کو جہاں تک ہو سکے اس

خاص سزا سے بچا دیا جائے۔ قاضی صرف سزا دے دے جو اُس کی نظر میں مناسب ہو جو حدّ سے کمتر اور خفیف ہو تاکہ مُجرم کو توبہ کا اور موقع مل سکے۔ اس لیے اس کی رحمت نے عورتوں کے خلقی اور فطری ضعف کو چاہے وہ حافظہ کا ہو یا اعصابی یا اس کے باپردہ ہونے کا جس قسم کا چاہے سمجھ لیں عورتوں کی گواہی کو عذر قرار دیا اور اُنہیں حدود میں بطورِ گواہ پیش ہونے سے روک دیا۔

خبر اور شہادت میں فرق

یہ تو حدود اور سزاؤں (تعزیرات) کا فرق تھا خبر اور شہادت میں شریعت نے یہ فرق کیا ہے کہ خبر مرد کی طرح عورت کی بھی صحیح تسلیم کی ہے، لہٰذا اگر وہ کوئی خبر دے گی تو حاکم سنے گا اور فوراً کارروائی کرے گا جو از قسم تعزیر ہوگی یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اسلامی قانون بھی نافذ ہو اور ظلم بھی ہوتا رہے۔ ایک مضمون میں میں نے پڑھا ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے محلّہ میں اپنی گلی میں بُرائی دیکھتی ہے تو وہ کیا کرے۔ اس کا جواب یہی ہے جو عرض کیا گیا۔

اشکال وجواب

ایک اشکال یہ پیش کیا گیا ہے کہ قرآنِ پاک میں یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وغیرہ فرمایا گیا ہے۔ صیغے مذکر کے استعمال ہوئے ہیں اس میں مراد عورتیں بھی ہیں لہٰذا جہاں جہاں گواہوں کا ذکر آیا ہے چاہے اس میں مردوں کے لیے جو الفاظ ہوتے ہیں وہی استعمال ہوئے ہوں پھر بھی عورتیں ضمناً شامل ہونی چاہئیں۔ اس لیے اربعۃ اگرچہ مردوں کے لیے ہی استعمال ہو سکتا ہے مگر اس میں عورتیں بھی داخل ہونی چاہئیں۔ یہ اشکال تو ظاہر ہے بہت ہی کمزور ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ میں جہاں لین دین کا ذکر ہے صرف وہاں ایک مرد دو عورتوں کا ذکر آیا ہے لہٰذا اُسے حکمِ عام قرار دینا حنفی اُصولِ فقہ کے خلاف ہے، اُسے فقط لین دین میں ہی ضروری سمجھا جائے باقی جگہ ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی قید نہ لگائی جائے بلکہ ہر جگہ چاہے حدود کی شہادت ہو مرد کی طرح عورت کو بھی گواہ تسلیم کیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کی شہادت کا ذکر صرف لین دین میں آیا ہے۔ حدود میں عورت کی شہادت کا نہ قرآن میں ذکر ہے نہ سُنت میں لہٰذا اسے لین دین جیسے معاملات ہی پر قائم رکھا گیا ہے حدود میں نہیں لایا گیا اس لیے خلافِ اُصول کوئی بات نہیں ہوئی۔ بلکہ امام مالک اور شافعی

رحمۃ اللہ علیہما نے تو یہ فرمایا ہے کہ عورتوں کی گواہی فقط مالی معاملات میں معتبر شمار ہوگی لہٰذا نکاح اور طلاق میں اُن کی گواہی نہ چلے گی۔ تفسیر قرطبی ج:۳، ص: ۳۹۵۔ اور مالی معاملات میں اعتبار و اعتماد کے لیے تحریر گواہی، ضمانت، رہن وغیرہ بھی جائز رکھے گئے ہیں کیونکہ لین دین کی ضرورت ہر وقت پڑتی رہتی ہے اس لیے عورتوں کی گواہی بھی جائز رکھ دی گئی۔ تفسیر قرطبی، ج:۳، ص: ۳۹۱۔

اس میں حکمت کہ رجال کا ذکر نہیں فرمایا اربعۃ فرمایا، نیز عربی محاورہ

اربعۃ جس کا ترجمہ ہے چار مرد حدود کے احکام میں کئی جگہ لایا گیا ہے اس کے ساتھ رجال کا لفظ لانا قطعاً غیر ضروری تھا رجال کا لفظ وہاں نہ لانا چاہیے جہاں نساء (عورتوں) کا ذکر آرہا ہو حدود میں سرے سے عورتوں کا ذکر ہی نہیں ہے اس لیے صرف اربعۃ فرمایا گیا۔ دیکھیے چوتھے پارہ میں سورہ نساء کی آیت ۱۵ پھر اٹھارہویں پارہ میں سورۃ النور میں دو جگہ آیت ۴ اور آیت ۱۳ میں اور یہی حکم توراۃ اور انجیل میں ہے۔ قرطبی ج ۵ ص ۸۳۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ابوبکرؓ و عمرؓ اور اُن کے بعد سب کا یہی طریقہ چلا آیا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی گئی۔ سنت (حدیث) اجماعِ اُمت اور فقہ سب جگہ یہی ثابت ہے۔

نظر بندی انگریز کی ایجاد ہے اسلام میں نظر بندی نہیں ہے

مضمون میں نظر بندی کا جواز بھی تحریر کیا گیا ہے حالانکہ یہ نظر بندی اگر تھی بھی تو بدکار عورتوں کے لیے اس وقت تک کے لیے بتلائی گئی تھی کہ جب تک دوسرا حکم نہ اُترے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اگر چار مرد گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اُٹھا لے یا اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی راہ مقرر کردے۔ (پ ۴ سورۃ النساء آیت ۱۵)

اس کے بعد دوسرا حکم نازل ہوا اور خدا نے راہ نکال دی۔

قرطبی تحریر فرماتے ہیں کہ اُس کی مثال ایسے ہے جیسے قرآن پاک میں آیا ہے کہ روزہ رات تک پورا کرو یعنی جب رات آجائے گی تو روزہ کا حکم ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح اس آیتِ نساء میں بتلا دیا گیا ہے کہ قید کا یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک اللہ تعالیٰ اُن کے لیے کوئی اور راستہ مقرر فرما دے۔ پھر راستہ مقرر فرما دیا کہ (انہیں کوڑے لگائے جائیں یا سنگسار کر دیا جائے) لہٰذا قید رکھنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (قرطبی، ج ۵، ص: ۸۵)

اس سے موجودہ دور میں انگریز کی رائج کردہ نظر بندی کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

ڈاکٹر محمود الحسن عارف لاہور (قسط: اوّل)

گردیز کے محاذ پر

افغانستان میں اسلام نواز حلقوں اور مجاہدین کی فتح بیسویں صدی کا سب سے عظیم الشان اور سب سے مہتم بالشان واقعہ ہے اور اگر لغت اجازت دیتی تو اسے اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ قرار دینا درست ہوتا لیکن معجزے صرف پیغمبروں کے مبارک ہاتھ پر رونما ہوتے ہیں۔

۱۴ سالوں پر مشتمل اس میں اور خطرناک جنگ میں ڈیڑھ ملین (پندرہ لاکھ) انسانوں نے جامِ شہادت نوش کیا اور پندرہ ملین کی آبادی میں سے پانچ ملین سے زیادہ لوگوں نے ترک مکانی کر کے دوسرے ملکوں میں اقامت اختیار کی۔ اس طرح اس جنگ میں ہونے والا نقصان غیر معمولی ہے۔

بایں ہمہ جنگ میں کامیابی اور ناکامی کا مدار چونکہ نتیجے پر ہوتا ہے۔ جنگی نفع و نقصان پر نہیں، اس لیے یہ جنگ ہر پہلو سے فتح و کامرانی کی جنگ تھی جس پر پوری افغان قوم بالخصوص مجاہدین مبارکباد کے مستحق ہیں۔ راقم الحروف "گردیز" پر حملے کے زمانے میں وہاں اپنے احباب کے ساتھ گیا تھا اپنے اس سفر کی روداد حسبِ ذیل ہے۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو جب راقم الحروف روزمرہ کی مصروفیات سے فارغ ہو کر گھر پہنچا تو گھر میں حافظ محمد عبداللہ صاحب حیدر آبادی اور بھائی محمد یٰسین، محمد زبیر اور ظہیر احمد (کراچوی) کو اپنا منتظر پایا جو میرے بے تکلّف احباب میں سے ہیں ان حضرات نے بتایا کہ وہ لوگ خاص طور پر "خوست" دیکھنے کے لیے احرام باندھ کر آئے ہیں اور یہ کہ وہ راقم کو بھی اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں۔ ہر چند مَیں نے بہت سے عذر کیے مگر شنوائی نہ ہُوئی اور اصرار بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ انکار کی گنجائش نہ رہی۔ خوش قسمتی سے "حرکۃ الجہاد" کی مجلس شوریٰ کے رُکن علّامہ ارشد حسن ثاقب صاحب ہمارے قریب ہی رہتے ہیں اور وہ میرے بے تکلّف اور مخلص احباب میں سے ہیں۔ ان سے ذکر کیا تو اُنھوں نے نہ صرف راستے کی نشاندہی کی بلکہ تعارفی رقعہ بھی دیا اور زبانی ہدایات بھی دیں۔ فیصلہ ہُوا

کہ علی الصبح چلا جائے۔

رات کو"خواب" میں بھی سفر جاری رہا۔ ٹھیک ۲ بجے میری آنکھ کھل گئی اور پھر مختصر سے ناشتے کے بعد تقریباً ۳ بج کر ۴۵ منٹ پر گھر سے باہر قدم نکالا اور خوابیدہ شہر لاہور سے جو اس وقت شہر خموشاں کا منظر پیش کر رہا تھا روانگی اختیار کی۔ سفر ذاتی گاڑی پر تیز رفتاری سے شروع ہو گیا۔ سرگودھا کے قریب ایک پٹرول پمپ پر جہاں سے شہر ۲۰ کلومیٹر تھا اور جہاں وضو کی سہولت میسر تھی، گاڑی روک کر نماز فجر ادا کی۔ ہمیں سورج نے مشرق سے نکل کر شاہینوں کے شہر سرگودھا میں جھانکا۔ اس وقت سرگودھا شہر بیدار ہو رہا تھا اور زندگی کی رونقیں آہستہ آہستہ بحال ہو رہی تھیں۔ دن کے نو بجے ہم پاکستان کے تاریخی شہر میانوالی میں پہنچے جو ہمارے راستے میں پنجاب کا آخری "ضلع" تھا۔

"میانوالی" پاکستان کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے یہ شہر مردم خیز بھی ہے اور مردم پرور بھی۔ اس کی خاک سے بڑے بڑے لوگ اُٹھے جنھوں نے ملک اور قوم کی تاریخ میں اہم کردار ادا کیا ہے میانوالی سے آگے بڑھے تو دریائے سندھ سے نکلنے والی نہر کے کنارے کنارے گاڑی فراٹے بھرنے لگی۔ یہ سڑک اس راستے کی خوب صُورت ترین سڑک ہے۔ انگریزوں نے کار والوں کو لانگ ڈرائیونگ کا جو تصور دیا ہے، لگتا ہے ایسی ہی خوب صُورت سڑکوں پر مٹر گشت کے لیے ہی ہے۔ یہاں گاڑی فراٹے بھر رہی تھی اور مجھے اس سفر سے زندگی کا سفر یاد آرہا تھا اور اس وقت دونوں سفروں میں مماثلت یہ تھی کہ دونوں کی باگ اپنے ہاتھ میں نہ تھی بقول شاعر:

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے   نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

کالا باغ سے قبل پہلی افغان بستی نظر آئی جسے پنجاب حکومت نے انسانی ہمدردی کے جذبے کے تحت آباد کیا ہُوا تھا۔ خوبصورت سڑک اور کالا باغ شہر کے دامن میں آباد چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں اور ان میں آباد زرد اور لاغر چہرے اَلَم وستم کی جو داستان سُنا رہے تھے، اسے سمجھنے کے لیے کسی غور و فکر کی ضرورت نہ تھی اور اُن کی حالتِ زار اور صحرا میں اُگی جھونپڑیاں دیکھ کر مجھے یہ شعر یاد آرہا تھا

سَر پر ہجوم غریبی سے ڈالیے   وہ اک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

یہاں سے آگے بڑھے تو دریائے سندھ سے ملاقات ہوئی، جو پاکستان کا سب سے بڑا دریا ہے یہاں دریا کا پاٹ زیادہ گہرا نہیں ہے اس لیے نظر نہیں آتا کہ یہی وہ دریا ہے جو آناً فاناً بڑی بڑی بستیوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہاں سے صُوبہ سرحد کا علاقہ شروع ہُوا۔ اب صُوبہ سرحد کا پہلا شہر "بنوں" ہماری منزل تھا۔ دِن کے بارہ بجے ہم "بنوں" شہر میں تھے۔ "بنوں" صوبہ سرحد کے قدیم شہروں میں سے ایک ہے۔ اس کا ذکر البلاذری کی فتوح البلدان جیسی اہم اور قدیم کُتب میں آیا ہے۔ یہاں کی تہذیب ابھی تک قدیم و جدید تہذیبوں کا خوبصورت سنگم ہے یہاں سکولوں کو جانے والی طالبات میں سے بھی بعض قدیم طرز کے بُرقعے پہن کر جاتی ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ "جدید تعلیم" کی رونق اور چہل پہل بھی جگہ جگہ نظر آتی ہے۔

بنوں شہر میں ہمارا قیام کیے بغیر آگے گزرنے کا پروگرام تھا، مگر یہاں پہنچ کر ایک عجیب حادثہ ہُوا ہماری مہران چلتی چلتی "گرم تر" ہونے لگی۔ گاڑی روک کر چیک کیا گیا، تو پتہ چلا کہ گاڑی کا وہ پنکھا بند ہو گیا ہے جو جسم کی گرمی باہر نکالتا ہے اور انجن کو ایک خاص درجۂ حرارت پر تک گرم نہیں ہونے دیتا۔ اس طرح کے حادثات اگر نہ ہوں تو وہ سفر، سفر نہیں ہے اور ہم نے تو یہ بھی سوچ کر ہی "غزالۂ سفر" سے دل لگایا تھا:

دربیاباں گر بہ ذوقِ خواہی زد قدم سرزنش ہا گر کند خارِ مغیلاں غم مخور

سرِ راہے ایک مؤثر مکینیکل کو دکھایا تو اس کے ہاتھ کی ایک حرکت نے وہ نقص دُور کر دیا اور پنکھا پھر متحرک ہو گیا۔ دل میں آیا کہ دل کا پنکھا بھی اسی طرح ... کام کرتے کرتے رُک جاتا ہے، مگر جب کسی صاحبِ نظر کا ہاتھ لگ جائے تو وہ اسی طرح متحرک ہو جاتا ہے اور پھر دِل ہمیشہ کے لیے اسی ہاتھ کی مٹھی میں بند ہو جاتا ہے، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ یہ "پانچ کا ٹولہ" پنجاب اور سندھ سے آیا ہے تو جذبۂ اخوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُجرت لینے سے انکار کر دیا۔ غالباً ایسے لوگوں کی وجہ سے پاکستان قائم ہُوا تھا اور اَب تک قائم ہے پروگرام کے مطابق ہمیں دوپہر کا کھانا "میرانشاہ" جا کر کھانا تھا جو پاکستان میں ہماری آخری منزل تھا اس لیے "بنوں" شہر سے صرف پانی پی کر آگے بڑھ گئے۔

"بنوں" سے لگ بھگ دس کلومیٹر آگے "علاقہ غیر" شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں اور

یہاں کی چوکیوں کے متعلق ان کا کچھ سُن رکھا تھا کہ جیسے ہی یہ علاقہ شروع ہُوا طرح طرح وساوس اور خطرات نے آن گھیرا، مگر اطمینان اس بات کا تھا کہ ارادہ نیک ہے اور منزل بھی۔ یہاں وفاقی حکومت کی نگرانی میں قبائل کی حکومت ہے، یہاں جا بجا نگران چوکیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ دو چوکیوں سے ہماری گاڑی خیر و عافیت کے ساتھ گزر گئی مگر تیسری چوکی پر پہنچی، جو غالباً پہلی قبائلی چوکی تھی تو ہماری گاڑی روک لی گئی۔ چاق و چوبند کھڑے سپاہی نے پشتو میں پُوچھا کہ کہاں جا رہے ہو، ہم نے اپنی قومی زبان میں اپنی منزل کا ذکر کیا مگر اس نے آگے پشتو میں جو کچھ کہا وہ ہماری فہم سے بالاتر تھا۔ ہم نے مکرر مطلع عرض کیا۔ اَب صُورتِ حال یہ تھی کہ ہم جو کچھ عرض کر رہے تھے وہ اُن کی سمجھ میں اور جو کچھ وہ "ارشاد" فرما رہے تھے۔ وہ ہماری فہم سے بالاتر تھا۔ پشتو کے متعلق ہماری واقفیت ایسے ہی محدود تھی اور اس دن بالکل مسدود ہو گئی۔ مجھے اُس دِن ایسے لگا جیسے سچ مچ ہم کسی غیر ملک میں آگئے ہُوں، یُوں اپنے ہی گھر میں اجنبیت کا احساس ہُوا۔ مجھے اس شاعر کی بے کسی اور لاچاری کے ساتھ جس نے کہا تھا۔

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

اپنی بے بسی اور لاچاری پر بھی رحم آیا، شاعر کو اپنے محبوب سے اظہار محبّت کرنا تھا، مگر ہم تو اس سے صرف راستہ چھوڑنے کی درخواست کر رہے تھے۔ شاید قدرت کو ہماری حالتِ زار پر رحم آگیا کہ اس اجڈ افغان نے اشارۃً بتایا کہ کمرے میں کوئی مُنشی صاحب موجود ہیں جو ہماری "بدیسی" زبان سمجھ سکتے ہیں اس وقت ہمیں جو خوشی ہُوئی وہ ملاقاتِ مسیحا و خضر سے کم نہ تھی۔

اے دوست کسی ہم دم دیرینہ سے ملاقات کم نہیں ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

مُنشی صاحب نے ہماری بات سُن کر ہمیں بتایا کہ "گاڑی" اس کے آگے نہیں جا سکتی، کیونکہ گزشتہ روز قبائلی علاقے میں ایک گاڑی اغوا ہو گئی ہے جسے ابھی تک برآمد نہیں کیا جا سکا۔ مُنشی صاحب نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم لوگ چاہیں تو اپنی گاڑی اُن کے ہاں چھوڑ جائیں یا پھر پیچھے چھوڑ آئیں، بات چونکہ معقول تھی اس لیے ہم نے اس سے اتّفاق کیا، البتّہ ہمیں بعد میں علم ہُوا کہ اگر ہم چاہتے تو مناسب رقم دے کر کسی سپاہی کو اپنے ہمراہ میرانشاہ تک بھیجنے کی درخواست کرتے تو شاید ہمیں واپس نہ جانا پڑتا۔ چونکہ وہاں صحرا میں جہاں سر بھی وبال دوش ہو جاتا ہے گاڑی کو کھڑا کرنا حماقت تھی، اسی لیے

عافیت اسی میں سمجھی گئی کہ گاڑی کو واپس بنّوں لے جا کر چھوڑ دیا جائے اَب پتہ چلا کہ آگے جانے اور پیچھے آنے میں کتنا فرق ہے۔ "رجعت قہقہری" کا یہ معاملہ جب سچ مچ کی زندگی میں پیش آتا ہے تو وہ اس سے بھی المناک ہوتا ہے۔

اب "بنّوں" والوں سے ہمارا سوال تھا "منجی کتھے ڈانواں" اور جواب ندارد تھا۔ راستے میں ایک "سینما ہاؤس" کے مالک نے ہمیں پیش کش کی کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کے سینما گھر سے استفادہ کر سکتے ہیں، لیکن دوستوں کا خیال تھا کہ یہ تو وہ بات ہوگی، (نقلِ کفر کفر نباشد) کہ "گئے تھے روزے بخشوانے نماز گلے پڑ گئی"۔ اَب بات اتنی بھی گئی گزری نہ تھی کہ ہم جارہے تھے مجاہدین کے پاس اور گھستے پھریں سینما گھر میں، منزل ہمارے سامنے اور ہدف ہمارے دل میں تھا۔ بقول شاعر:

قید میں بھی ترے وحشی کو اسی زلف کی یاد
ہاں سمجھ اک لُطف گرانباری زنجیر بھی تھا

اسی لیے ہم نے اس کی پیشکش شکریے کے ساتھ واپس کر دی اور پھر تبلیغی مرکز گئے اور گاڑی کھڑی کی اور ضروری سامان ہمراہ لیا اور تانگے پر بیٹھ کر اڈّے کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس آمد و رفت میں ہمارے دو گھنٹے گزر گئے۔ صُبح کا ہلکا سا ناشتہ کیا تھا اب کڑاکے کی بھُوک چمک اُٹھی اڈّے کی طرف جاتے ہُوئے ایک ہوٹل کے سامنے سے گزرے جہاں سے بھُنے ہُوئے گوشت کی بھینی بھینی خوشبو آ رہی تھی۔ بھائی یٰسین مچل گئے کہ یہاں کھانا کھا کر چلیں گے۔ بھُوک تو سب کو تھی مگر مصلحتاً خاموش تھے اس پیشکش پر کون کافر انکار کرتا۔

یُوں تو بھُوک لگی ہو تو کھانا ویسے ہی لذیذ ہوتا ہے مگر یہاں فی الواقع کھانا لذیذ تھا۔ کھانا کھاتے ہُوئے یہ نکتہ سمجھ میں آیا کہ درحقیقت یہاں کے اس کھانے اور "پانی" پر ہمارے نام کی مہر لگی ہُوئی تھی ہم جو یہاں سے خاموشی سے گزر گئے تھے تو بطورِ سزا ہمیں واپس لایا گیا کہ احمقو! اپنے حصّہ کا کھانا تو کھاتے جاؤ۔ اس دن یہ نکتہ خُوب سمجھ میں آیا کہ کھانا اپنے کھانے والے کو بتقضائے حدیث نبوی کیسے تلاش کرتا ہے

اڈّے پر آئے تو ایک سُرخ ٹیوٹا ویگن تیار کھڑی تھی اور غالباً اس دِن کی یہ سیکنڈ لاسٹ ویگن تھی جس کے بعد راستہ اگلے دن تک بند ہو جاتا تھا۔ آگے تاحدِ نظر قبائلی علاقہ پھیلا ہُوا تھا،

جہاں اِکّا دُکّا مکان پہاڑوں میں بنے ہُوئے غار، چرتے ہُوئے ریوڑ اور خال خال لوگ نظر آرہے تھے۔ خاکی رنگ کی کچی پکی پہاڑیاں بے آب و گیاہ میدان یہاں کے رہنے والوں کی فطرتی "سخت کوشی" اور قساوتِ جسمانی و قلبی کا پتہ دے رہے تھے۔ یہ علاقہ شمالی وزیرستان کا حصّہ ہے جن کی رزمیہ داستانیں کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے لیکن بحمداللہ اَب تبدیلی آرہی ہے خاص طور پر شہروں میں زندگی کا رنگ بدل رہا ہے سامانِ تعیش کی بہتات نے لوگوں کو جدید را سخ العقیدہ علماء نے اس علاقے کو مہذب بنانے اور تعلیماتِ اسلامیہ سے روشناس کرانے کے لیے اہم کردار ادا کیا ہے۔ سہولیات اور حکومت دونوں کے قریب کر دیا ہے۔

شمالی وزیرستان کے مرکز "میرانشاہ" میں ہم شام ۴ بجے پہنچے۔ میرانشاہ کا اصل نام "میرم شاہ" ہے لیکن مرورِ ایّام سے میرم شا میرانشاہ بن گیا۔ یہاں جگہ جگہ افغانستان کے مہاجرین کی بستیاں نظر آئیں۔ یہاں کے ہر باشندے کے ہاتھ کلاشنکوف یا بندوق تھی، مگر مجموعی طور پر یہاں امن و امان کی صُورتِ حال تسلّی بخش ہے۔ دیواروں پر نعرے اور مطالبہ لکھنے کی روایت یہاں بھی مقبولِ عام ہے تمام راستے سڑک کے دو رویہ فارسی اُردو اور پشتو میں لکھے ہُوئے نعرے نظر آتے رہے ان دیواری نوشتوں سے پتہ چلا کہ یہاں سیاسی میدان میں جمعیت علمائے اسلام غالب ہے اور لوگ جمعیت اُس کے رہنماؤں اور اُس کے منشور سے محبّت کرتے ہیں۔

شام کا وقت تھا ہر چہرہ اجنبی اور ہر صُورت غیر مانوس ایسے میں ہمیں ویگن نے بھرے بازار میں اُتار دیا۔ ہم ابھی اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے کہ ایک کلاشن کوف بردار افغان ہمارے سامنے آگیا۔ جسے اچانک سامنے دیکھ کر ہم گھبرا گئے۔ (جاری ہے)

بقیہ: مولانا نسیم احمد فریدی رح

مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ مولانا کی منظومات اور مضامین برِّصغیر کے معروف جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

۱۔ الفرقان بریلی، لکھنؤ ۲۔ القاسم، دیوبند ۳۔ الحرم، میرٹھ ۴۔ البلاغ، بمبئی۔ ۵۔ البدر، کاکوری ۶۔ الحق، اکوڑہ خٹک ۷۔ الجمعیۃ، دہلی ۸۔ الرحیم، حیدر آباد ۹۔ برہان، دہلی۔ ۱۰۔ قائد، امروہہ

○

فرموداتِ حضرت مدنیؒ

مرتّب : حافظ تنویر احمد شریفی ناظم مجلس یادگار شیخ الاسلامؒ

مصیبت، عارفین کے لیے چراغ ہے

فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "مصیبت عارفین کے لیے چراغ ہے، مریدین اور راہ سلوک کے راہرو کے لیے تنبیہ ہے اور غافلوں کے لیے ہلاکت"۔ [1]

انگریزی تعلیم، وبالِ دین

فرمایا کہ "آج جب کہ بڑے خاندان والے اپنی اولاد کو انگریزی سکول کی تعلیم دلوا کر اُن کو دوزخ کا کندہ (ٹیکا) بنا رہے ہیں اور دُنیا کے لالچ میں اُن کو بے دینی اور الحاد کی تعلیم دلوا کر دین سے برگشتہ اور اسلام کے لیے عار بلکہ دُشمن بناتے ہوئے اپنی اور اُن کی عاقبت برباد کر رہے ہیں، دنیاوی زندگی میں کفار کی غلامی کی لعنت کا پٹہ اپنی اولاد کے گلے میں ڈال رہے ہیں۔ آپ کی اولاد کا دیندار حاملِ قرآن اور حافظِ دینِ متین ہونا لازوال اور عظیم الشّان نعمت ہے"۔ [2]

(مقصد یہ ہے کہ انگریزی تعلیم اسلامی تعلیم کے ساتھ حاصل کی جائے۔ اگر اسلام کو ایک طرف چھوڑ کر انگریزی تعلیم حاصل کی تو خدشہ ہے کہ وہ وبالِ دین بن جائے۔ (شریفی)

فخرِ خاندان

فرمایا کہ "یہ دُعا ہمیشہ ہونی چاہیے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (ترجمہ اے رب! دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک، اور کر ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا"۔ [3]

اصولِ تصوّف

فرمایا کہ تصوّف کا ضروری اور مضبوط اُصول جو کہ نفس پر شاق بھی بہت ہوتا ہے، یہ ہے کہ

---

[1] مکتوب ۱۶۱/۱ ص ۹۵، ج ۱۔ [2] مکتوب ۱۷/۷ ص: ۹۸، ج ۱۔ [3] ایضاً۔

اپنے نفس کے ساتھ بدظنی اور دوسروں کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے اسی کے ماتحت حضرت مجدّد (الف ثانی) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "معرفت خدائے تعالیٰ بر آں کس حرام است کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند کیف ازا کابرِ دین"۔ اپنے نفس کے کید و مکر سے کسی وقت بھی مطمئن نہ ہونا چاہیے۔[۱]

وظیفہ دفع وساوس

فرمایا کہ "دفع وساوس (وسوسہ) وخطرات کے لیے سورۂ ناس اکسیر ہے روزانہ ایک سو مرتبہ یا کم از کم ۴۰ مرتبہ مع خیال پڑھ لیا کیجیے"۔[۲]

حضور علیہ السّلام مشائخ طریقت میں ہیں

فرمایا کہ "سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بھی تو مشائخ طریقت میں ہیں۔ درود شریف اُن کے لیے خاص ہونے کے ساتھ ایصالِ ثواب بھی اُن کے لیے ہو ہی جاتا ہے۔ بہرحال اگر آنحضرت علیہ السّلام کے لیے کوئی خصوصی چیز ہدیہ کی جائے تو اس میں کلام ہی کیا ہے جبکہ جناب علیہ السّلام فرماتے ہیں لا یحقرن جارۃ لجارہا ولو فرسن شاۃٍ (ترجمہ) کہ پڑوسی کو ہدیہ دینے میں حقیر نہ جانے اگرچہ ایک ٹکڑا بکری کے کھر کا بھیجے (ترمذی) اور مشہور مقولہ ہے "الھدیۃ علی قدر مھدیھا" تو کیوں قلتِ ہدیہ سے شرم آئے۔ آپ کا حصّہ تو ہماری ہر عبادت میں لگا ہوا ہے، خواہ نماز ہو یا ذکر ہو، مالی عبادت ہو یا بدنی، قلیل ہو یا کثیر پھر اس میں لگ سامنے آجاتی ہے"۔[۳]

کارنامے مشعل راہ

فرمایا کہ ہمارے لیے حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہما کے کارنامے مشعل راہ ہیں۔[۴]

---

[۱] مکتوب ۱۸، ص: ۹۹، ج: ۱۔ [۲] مکتوب ۲۲، ص: ۱۰۲، ج: ۱۔ [۳] مکتوب ۲۴، ص: ۱۰۹، ج: ۱۔ [۴] مکتوب ۲۶، ص: ۱۱۲، ج: ۱

ڈاکٹر سرور چاند

واقعات کی روشنی میں

کچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ...

پاکستان کو معرض وجود میں آئے ۴۶ سال ہو چکے ہیں پاکستان کا مطلب کیا لاالہٰ الا اللہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا تھا۔ وگرنہ تو علیحدہ ملک بنانے اور کروڑوں انسانوں کی قربانی دینے کا کیا فائدہ تھا مسلمان تو اَب بھی ہر جگہ آباد ہیں۔ اپنی اپنی عبادتیں کرتے ہیں۔ آخر اس علیحدہ مملکت کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی اور پھر جب قربانیوں کے بعد ملک حاصل کر لیا گیا تو پھر نفاذِ اسلام میں کیا دقت ہے کیا رکاوٹ ہے۔ یہ سوال ۴۶ سے سے عوام اپنے ذہنوں میں دھرا رہے ہیں مگر عملاً سوال کا جواب نفی میں ہے جس طرح ملک حاصل کرنے میں ایک انقلابی سوچ اور عمل و قربانی کی ضرورت تھی۔ اسی طرح نفاذِ اسلام العقاد کانفرنسوں، بیانات جھوٹے پروپیگنڈے سے نہ ہوگا۔ بلکہ ایک انقلابی قدم اُٹھانا ہوگا اور کچھ قربانی دینا ہوگی۔ ہم دل سے نفاذِ اسلام نہیں چاہتے اس کی بڑی وجہ جاگیردارانہ نظام ہے جب تک یہ غیر اسلامی نظام مکمل طور پر ختم نہ ہوگا۔ نفاذِ اسلام کی سوچ عبث ہے۔ تمام سیاسی لیڈران، ارکان اسمبلی صاحب اقتدار لوگ زمیندار، جاگیردار ہیں اور یہ ہی الیکشن لڑ سکتے ہیں اور حیرانی تو یہ ہے کہ جو لوگ قانون اور اسلام نہیں جانتے وہ ہی قانون بنانے اور اسلام کے نفاذ کے سربراہ بنے اسمبلیوں میں بیٹھے ہیں۔ پاکستان میں نفاذِ اسلام کے سلسلے میں تو مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہے۔

بہر حال ایک بڑے اسلامی انقلاب کی ضرورت ہے۔ وگرنہ بیان دینا اور لچھے دار لمبی لمبی تقریر کر دینا عبث ہے۔ دانشوروں کی رائے کے مطابق پاکستان کا سیاسی کلچر تیزی سے تصادم کی جانب بڑھ رہا ہے۔ سیاسی پارٹیاں اور سیاسی گروہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں فکر اور مقصد کا فقدان ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز ختم ہے۔ اشتعال و انتقام کی سیاست عقل و دانش پر غالب آ رہی ہے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جدوجہد کی جا رہی ہے۔ کسی کو سوچنے کی فرصت نہیں کہ ان سرگرمیوں کا انجام کیا ہوگا۔ ان حرکات سے ملک و قوم کو کتنا نقصان پہنچے گا اور عجب ستم ظریفی

قاضی اطہر مبارک پوری

(قسط: ۱)

علمائے اسلام کے القاب

دینی علوم اور اسلامی تعلیمات ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہیں، البتہ ان میں تبحّر و انہماک خاص خاص لوگوں کا حصّہ ہے اور جو حضرات یہ حصّہ پاتے ہیں اُن کو علمائے اسلام اور علمائے دین کہا جاتا ہے اور اُن کے لیے منصب و حیثیّت کے اعتبار سے خاص خاص القاب ہوتے ہیں جن کو اُن کے ناموں کے ساتھ استعمال کر کے تعظیم و تکریم ظاہر کی جاتی ہے۔

اسلام میں علماء کو وہ مقام حاصل نہیں ہے جو ہندو مذہب اور عیسائیت میں برہمنوں اور پادریوں کو حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے مذہب کے گویا سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں اور عوام مذہبی زندگی میں اُن کے ہاتھ میں مجبور ہوتے ہیں، البتہ علمائے دین کی تعظیم و تکریم اور اچھے القاب و خطابات سے اُن کو یاد کرنا اخلاقی فرض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اہل علم و فضل کے لیے القاب بہت زیادہ ملتے ہیں، اس مقالہ میں ہم ان القاب کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوگا کہ علمائے دین کے لیے آج جو القاب و خطابات استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اُن میں کیا رُوح کارفرما تھی اور اب وہ کس طرح پامال ہو رہے ہیں۔

عالم

عالم کا لقب صدرِ اسلام سے لے کر آج تک دینی علوم و فنون کے حاملین اور اُن کے پڑھنے پڑھانے والوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، قرآنِ حکیم میں یہ لقب علمائے دین کے حق میں آیا ہے، چنانچہ اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ اور اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمَاءُ بَنِیْٓ اِسْرَائِیْلَ میں علماء سے مراد دین کے عالم ہیں، احادیث میں بھی یہ لقب اسی طبقہ پر بولا گیا ہے جیسا کہ فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِیْ عَلٰٓى اَدْنَاكُمْ وغیرہ میں ہے۔ اور جب "عالم" کو متعلم کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے تو اس سے مدرس و معلّم بھی مراد ہوتا ہے جیسا کہ اس

حدیث میں ہے۔ اُغْدُ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا

ابتداء میں عالم کا اطلاق کسی خاص علم و فن یا کسی خاص مقام کی طرف اضافت کی شکل میں ہوتا تھا، جیسے عالم المدینہ، عالم الکوفہ، عالم اہل المدینہ، عالم اہلِ خراسان، عالم اہل کوفہ اور عالم المغازی والسیر، عالم الناسخ والمنسوخ اور عالم الحدیث والآثار وغیرہ، مگر بعد میں بغیر اضافت کے استعمال ہونے لگا۔

عَلَّامَہ علّامہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ لقب مختلف علوم و فنون میں مہارت رکھنے والے علماء کے لیے استعمال ہوتا ہے، عرب میں قدیم زمانہ سے انساب، عربیت شاعری اور ایام وحروب کے جاننے والوں کو علّامہ کہا جاتا تھا، عہدِ رسالت میں بھی ان علوم کے جامع شخص کو علّامہ کہتے تھے، چنانچہ علّامہ ابن عبدالبر اندلسیؒ نے جامع بیان العلم میں حضرت ابوبکرؓ سے روایت کی ہے کہ:

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَرَاٰی جَمْعًا مِّنَ النَّاسِ عَلٰی رَجُلٍ فَقَالَ وَمَا ھٰذا، قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ رَجُلٌ عَلَّامَۃٌ، قَالَ وَمَا الْعَلَّامَۃُ، قَالُوْا اَعْلَمُ النَّاسِ بِاَنْسَابِ الْعَرَبِ وَاَعْلَمُ النَّاسِ بِعَرَبِیَّۃٍ، وَاَعْلَمُ النَّاسِ بِشِعْرٍ وَاَعْلَمُ النَّاسِ بِمَا اخْتَلَفَ فِیْہِ الْعَرَبُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰذَا عِلْمٌ لَا یَنْفَعُ وَجَھْلٌ لَا یَضُرُّ۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم مسجدِ نبویؐ میں تشریف لائے اور دیکھا کہ لوگوں کی ایک جماعت ایک آدمی کے گرد جمع ہے آپ نے دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ ایک علّامہ شخص ہے، آپ نے فرمایا کہ علّامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا علّامہ وہ شخص ہے جو انساب عرب، عربیت شعر و شاعری اور عربوں کے حالات کا سب سے بڑا عالم ہے آپ نے فرمایا یہ ایسا علم ہے کہ نہ اس کا جاننا مفید ہے اور نہ نہ جاننا مضر ہے۔

اس ارشادِ نبوی کے بعد ضرر اور غیر مفید علوم کے جاننے والوں کے لیے علّامہ کا لقب صحابہ کرا

---

[1] جامع بیان العلم ج: ۲، ص: ۲۳ طبع مصر و کنز العمال ج: ۵، ص: ۲۳۶ طبع اوّل حیدر آباد۔

کے نزدیک کچھ زیادہ وقیع نہیں رہ گیا، غالباً یہی وجہ ہے کہ عہدِ رسالت اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں علمائے دین کے لیے یہ لقب نہیں استعمال ہوتا تھا، اور تاریخ و رجال کی کتابوں میں بھی صدرِ اسلام کے علماء کے لیے یہ لقب نہیں ملتا ہے، مگر بعد میں اس کا عام رواج ہوگیا۔

مُعَلِّم دینی تعلیم دینے والے کو اسلام میں سب سے پہلے مُعلِّم کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، یہ وہ مقدس لقب ہے جسے خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے بارے میں پسند فرمایا ہے اور اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا فرما کر اس کی عظمت بتائی ہے، اس لقب سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی نوازا چنانچہ وہ صحابہ میں اس لقب سے مشہور رہے، علّامہ ابن سعدؒ نے حفاف بن ایما سے روایت کی ہے کہ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔

فَاِذَا خَطَبَ عُمَرُ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّكَ مُعَلَّمٌ

اور جب حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ پڑھتے تو میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ کہتے ہوئے سنتا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ معلّم ہیں۔

یہ واقعہ سن کر اس کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزنادؒ کو تعجب ہوا تو میں نے ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بیان کی۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ نَبِيٍّ اِلَّا فِيْ اُمَّتِهٖ مُعَلَّمٌ اَوْ مُعَلَّمَانِ، وَ اِنْ يَّكُنْ فِيْ اُمَّتِيْ اَحَدٌ فَابْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِهٖ[1]

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی امّت میں دو ایک معلّم ہوا کرتے ہیں اگر میری امت میں کوئی معلّم ہے تو عمر بن خطاب ہے، حقیقت یہ ہے کہ حق عمر کی زبان اور دل ہے۔

چونکہ یہ لقب تعلیم دینے والے کے مفہوم کو پوری طرح ظاہر کرتا ہے اور اس کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے بارے میں اور حضرت عمرؓ کے بارے میں استعمال فرمایا ہے، اس لیے

---

[1] طبقات ابن سعدج: ۲ قسم ۲، ص: ۹۹ طبع لیڈن۔

اسے بعد میں بڑا حسنِ قبول حاصل ہُوا اور مکاتب کے معلّموں سے لے کر حدیث و فقہ کے پڑھانے والوں تک کو معلّم کے لقب سے پُکارا گیا۔ ابن قتیبہؒ نے کتاب المعارف میں اور ابن رستہ نے الاعلاق النفیسہ میں "اسماء المعلمین" کے عنوان سے ایسے بہت سے بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو معلّم کے لقب سے مشہور تھے، مثلاً

(۱) ابوصالح صاحب الکلبی، یہ بچّوں کو تعلیم دیتے تھے (۲) ابوعبدالرحمٰن السلمی یہ دونوں آنکھ کے اندھے تھے (۳) معبد جہنی (۴) ضحاک بن مزاحم (۵) عبداللہ بن حارث، یہ دونوں حضرات بلا اُجرت تعلیم دیتے تھے (۶) قیس بن سعد (۷) عطاء بن ابی رباح مکی (۸) ابوامیہ عبدالکریم (۹) قاسم بن عیمرہ ہلالی (۱۰) کمیت بن زید شاعر، یہ کوفہ کی مسجد میں بچّوں کو تعلیم دیا کرتے تھے (۱۱) عبدالحمید الکاتب، یہ بنوامیہ کے میر منشی بھی تھے (۱۲) ابوالبیداء (۱۳) ابوعبداللہ! یہ خلفائے بنوامیہ کے خطوط و فرامین بھی لکھا کرتے تھے (۱۴) حجاج بن یُوسف، عراق کی گورنری سے پہلے طائف میں روٹی لے کر بچّوں کو پڑھایا کرتا تھا (۱۵) حجاج کا باپ یُوسف بھی معلم تھا (۱۶) علقمہ بن ابی علقمہ مولیٰ حضرت عائشہؓ ان کا ذاتی مکتب تھا جس میں عربیت نحو اور عروض کی تعلیم دیتے تھے (۱۷) ابومعاویہ شیبان بن عبدالرحمٰن نحوی مولیٰ بنوتمیم، یہ محدّث تھے اور داؤد بن علی کے بچّوں کو اَدب کی بھی تعلیم دیتے تھے (۱۸) ابوسعید محمد بن مسلمہ بن ابی الوضاح قضاعی، یہ خلیفہ مہدی کے مُعلّم تھے (۱۹) ابواسمعیل ابراہیم بن سلیمان مودب، آپ محدّث تھے (۲۰) ابوعبید قاسم بن سلام، یہ بہت بڑے عالم اور محدّث و فقیہ اور طرسوس کے قاضی تھے، ۲۲۴ھ میں مکہ مکرمہ[۱] میں فوت ہُوئے ان میں سے اکثروں کے ساتھ لفظ مُعلّم بالالتزام استعمال کیا جاتا تھا، جیسے حسین بن ذکوان حسین المعلم اور حبیب مولیٰ معقل بن سیار حبیب المعلم۔

یہ ایک سرسری فہرست ان چند ناموں کی ہے جو عہد صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے لے کر تیسری صدی تک معلّم کے لقب سے خاص طور سے مشہور ہُوئے، بلکہ چوتھی صدی تک دُنیائے اسلام کے بعض علاقوں میں عام طور سے علمائے دین کو مُعلّم کے لقب سے پُکارا جاتا تھا، علّامہ

---

[۱] کتاب المعارف طبع مصر، ص: ۲۳۸

مقدسی بشاریؒ نے (جنھوں نے ۳۷۵ھ میں اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم لکھی ہے) اقلیم ویلم کے بیان میں لکھا ہے کہ

یُسَمُّوْنَ الْعَالِمَ مُعَلِّمًا وَرُبَمَا تَعَلَّقُوْا بِیْ وَقَالُوْا لُوْكِ مُعَلِّمْ وَاللُّوْكُ هُوَالْجَيِّدُ۔ [1]	یہاں کے لوگ عالم کو معلم کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور بسا اوقات مجھے لوگ مُعلّم یعنی زبردست عالم کہہ کر میرے پیچھے پڑ جاتے تھے

اس کا مطلب یہ ہے کہ قومس، جرجان، شہرستان، طبرستان، آمل، ویلمان، وامغان، سمنان، بسطام، بیار، استرآباد، طالقان وغیرہ میں عام علماء کو مُعلّم کے لقب سے پکارا جاتا تھا، مقدسی نے ان تمام مقاموں کو اقلیم ویلم میں شمار کیا ہے۔

مگر بعد میں یہ مقدس اور قدیم لقب، دوسرے القاب کے مقابلہ میں بہت کم استعمال ہونے لگا اور عام طور سے معلّم کی جگہ مدرس نے لے لی، ہمارے علم میں تعلیم کے اُصول و آداب پر سب سے پہلی کتاب امام محمد بن سحنون بن سعید متوفی ۲۵۶ھ کی آداب المعلمین ہے جو بلادِ مغرب میں عام طور سے رائج ہے اور اس تعلّم کے آداب و اُصول پر سب سے مشہور کتاب شیخ برہان الدّین مرغینانیؒ کی تعلیم المتعلم ہے۔

مُقْرِیْ پڑھنے پڑھانے والے علمائے دین کے لیے معلم کی طرح مقری کا لقب بھی رسول اللہؐ کے زمانہ میں بولا جانے لگا تھا، مگر اس میں معلم کی طرح تعلیم دینے کا عمومی مفہوم نہیں تھا بلکہ اس کی ابتدا قرآن کی تعلیم دینے والوں سے ہوئی اور اس کے مفہوم میں خاص طور سے قرآن کے معلّم کا تصوّر تھا، اس لقب کا اطلاق سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ پر ہوا، جب ہجرت سے پہلے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو اہلِ مدینہ کی خواہش پر قرآن کی تعلیم کے لیے روانہ فرمایا تھا، اس وقت مدینہ کے لوگوں نے اُن کو مُقرِی کے لقب سے ملقب کیا، اور یہ اُن کا مستقل لقب ہوگیا۔ امام طبرانیؒ نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ

---

[1] احسن التقاسیم، ص: ۳۶۹۔

وَرَجَعَ مُصْعَبٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُدْعَى الْمُقْرِئَ [1]

اور مصعب رضؓ مدینہ سے رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت اُن کو مقری کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

چونکہ مقری کے لقب میں شروع ہی سے قرآن کی تعلیم کا تصوّر تھا اس لیے بعد میں بھی اُسے معلمین قرآن ہی کے لیے استعمال کیا گیا، البتہ قرآنی تعلیم کے عام مفہوم کے علاوہ اس میں صرف تجوید و قرائت کے ساتھ پڑھانے کا تصوّر بھی شامل ہوگیا، چنانچہ تیسری صدی تک کے مجودین و قراء اسی لقب سے یاد کیے جاتے تھے، چند مشہور مقریوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ابوجعفر یزید بن قعقاع مقرئ مدینہ ۲۔ ابوعبدالرحمٰن السلمی کوفی یہ مقری کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔ ۳۔ شیبہ بن نصاح مقرئ مدینہ، مولیٰ حضرت ام سلمہ رضؓ آپ اپنے وقت میں اہلِ مدینہ کے امام تھے۔ ۴۔ نافع بن عبدالرحمٰن مقرئ مدینہ آپ فن تجوید و قرأت کے زبردست اور مشہور امام ہیں۔ ۵۔ طلحہ بن عوف، اہلِ کوفہ کے قاری و مقری ہیں۔ ۶۔ یحییٰ بن وثاب کوفی۔ ۷۔ حمزہ زیّات۔ ۸۔ عاصم بن ابی النجود ۹۔ حمید الاعرج مقری اہل مکّہ، ۱۰۔ ابن کثیر وغیرہ [2] یہ لقب ان میں سے بعض بزرگوں کے نام کا جزو لاینفک ہوگیا تھا۔ مثلاً امام ابوعبدالرحمٰن المقری، عبداللہ بن ابی اسحاق المقری وغیرہ، ہندوستان میں عام طور سے قاری اور مقری دونوں کے لیے قاری کا لقب استعمال ہوتا ہے۔

قاری جس طرح ابتدا میں مقری کا لقب قرآن پڑھانے والوں کے لیے مخصوص تھا اسی طرح قاری کا لقب قرآن پڑھنے والوں کے لیے مخصوص تھا مگر قرآن پڑھنے کا مطلب صرف اس کے الفاظ کی تجوید و قرائت کے ساتھ ادائیگی ہی نہیں تھا بلکہ جملہ قرآنی علوم و فنون اس میں شامل تھے، چنانچہ دورِ رسالت کے بعد ہی قرّاء فقیہ، محدّث وغیرہ کے القاب سے یاد کیے جانے لگے، اور یہ جامع لفظ مختلف الفاظ میں تقسیم ہوگیا۔ علّامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے۔

---

[1] جمع الفوائد، ج: ۲، ص: ۲۹ [2] کتاب المعارف، ص: ۲۳۰ و ۲۳۲

ثُمَّ اِنَّ الصَّحَابَةَ كُلَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا اَهْلَ فُتْيَا وَلَا كَانَ الدِّيْنُ يُؤْخَذُ عَنْ جَمِيْعِهِمْ وَاِنَّمَا كَانَ ذَالِكَ مُخْتَصًّا بِالْحَامِلِيْنَ لِلْقُرْاٰنِ الْعَارِفِيْنَ بِنَاسِخِهٖ وَمَنْسُوْخِهٖ وَمُتَشَابِهِهٖ وَمُحْكَمِهٖ وَسَائِرِ دَلَالَتِهٖ بِمَا تَلَقَّوْنَهٗ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ مِمَّنْ سَمِعَهٗ مِنْهُمْ من عليتهم وَكَانُوْا يُسَمَّوْنَ لِذٰلِكَ الْقُرَّاءَ الَّذِيْنَ يَقْرَؤُنَ الْكِتَابَ لِاَنَّ الْعَرَبَ كَانُوْا اُمَّةً اُمِّيَّةً فَاخْتُصَّ مَنْ كَانَ مِنْهُمْ قَارِئًا لِكِتَابِ اللّٰهِ بِهٰذَا الْاِسْمِ لِغَرَابَتِهٖ يَوْمَئِذٍ وَبَقِيَ الْاَمْرُ كَذَالِكَ صَدْرَ الْمِلَّةِ ثُمَّ عَظُمَتْ اَمْصَارُ الْاِسْلَامِ وَذَهَبَتِ الْاُمِّيَّةُ مِنَ الْعَرَبِ بِمُمَارَسَةِ الْكِتَابِ وَتَمَكَّنَ الْاِسْتِنْبَاطِ وَكَمُلَ الْفِقْهُ وَاَصْبَحَ صَنَاعَةً وَعِلْمًا فَبَدَّلُوْا بِاسْمِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ مِنَ الْقُرَّاءِ [1]

پھر تمام صحابہؓ نہ مفتی تھے اور نہ سب سے دینی علوم حاصل کیے جاتے تھے، بلکہ یہ چیز صرف عالمین قرآن کے ساتھ مخصوص تھی جو اس کے ناسخ و منسوخ اور متشابہ و محکم اور اس کی دوسری تمام دلالتوں کے عالم تھے جن کو انھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل کیا تھا یا ان لوگوں سے جنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حاصل کیا تھا، اس لیے جو لوگ قرآن پڑھتے تھے اُن کو قراء کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا کیونکہ اس وقت عرب اُمّی قوم تھے اس لیے کتاب اللہ پڑھنے والوں کے لیے یہ لقب مخصوص ہوگیا صدرِ اسلام تک یہ اصطلاح جاری رہی، پھر جب اسلامی شہروں کی کثرت ہوئی اور قرآن کی ممارست کی وجہ سے عربوں سے امیت جاتی رہی اور دینی مسائل کے استنباط کا رواج ہوا اور علم فقہ مکمل ہوکر ایک مستقل فن بن گیا تو لوگوں نے قراء کے بجائے فقہاء اور علماء کے نام رائج کیے۔

جس طرح جماعتِ صحابہؓ میں مقری کا لقب سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیرؓ کے لیے استعمال کیا گیا، اسی طرح قاری کا لقب سب سے پہلے جماعتِ صحابہؓ میں حضرت سعد بن

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص: ۳۷۴۔

عبیدؓ کے لیے استعمال ہوا، طبقات ابن سعد میں ہے۔

وَكَانَ يُسَمَّى الْقَارِئْ وَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمَّى الْقَارِى غَيْرَهُ؛ [1]

حضرت سعد بن عبیدؓ کو قاری کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، جماعتِ صحابہ میں ان کے علاوہ کوئی دوسرا قاری نہیں کہلاتا تھا۔

قاری کا لقب صحابۂ کرام میں اگرچہ سب سے پہلے حضرت سعد بن عبیدؓ کے لیے استعمال کیا گیا، مگر یہ لقب حاملینِ علومِ قرآن کے لیے زمانۂ رسالت ہی میں عام ہو گیا تھا، اور جن صحابہ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیات طیّبہ میں قرآن پڑھا اور حفظ کیا تھا اُن کو قاری کہنے لگے، یہ صحابہ عام طور سے قرآن کی تعلیم پر مامور ہوتے تھے، مسجد نبوی اور مدینہ منوّرہ کے مختلف مقامات پر ان کی مجلس درس جاری رہتی تھی اور بوقت ضرورت اُن کو نومُسلم قبائل کے لیے باہر بھی بھیجا جاتا تھا اس سلسلہ میں ان ستر قراء۔ صحابہ کا واقعہ بہت مشہور ہے، جن کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن پڑھانے کے لیے روانہ فرمایا تھا، مگر وہ راستہ میں شہید کر دیے گئے۔

صدر اسلام کا یہ لقب پہلی صدی تک جاری رہا اور علمائے دین قراء کہلاتے رہے چنانچہ بنوامیہ کے خلاف عبدالرحمٰن بن اشعث کی سرکردگی میں یہی قراء ظلم و فساد کے خلاف جنگ کے لیے نکلے تھے، مگر جب باقاعدہ دینی علوم کی تدوین ہُوئی تو یہی قراء فقہاء اور محدّثین وغیرہ کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور جس کو جس علم و فن سے زیادہ تعلّق تھا اس کو اس کی مناسبت سے ملقب کیا گیا، بعد میں قاری کا لفظ اپنے قدیم مفہوم ومعنی سے ہٹ کر قرآن کو تجوید و قرأت سے پڑھنے پڑھانے والے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ بعض حضرات اس فن میں اتنے مشہور ہُوئے کہ یہ لقب اُن کے نام کا جز ہو گیا، جیسے متقدمین میں سلّام القاریؒ اور متاخرین میں مُلّا علی قاریؒ وغیرہ۔

کامل | کامل کا لقب زمانۂ جاہلیت اور صدر اسلام میں علمی اور فنّی مہارت کے اظہار کے لیے استعمال ہوتا تھا جس کے مفہوم میں عربی لکھنے پڑھنے کے ساتھ تیراکی اور

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم ۲ - ص : ۳-

تیر اندازی میں بھی مہارت شامل تھی۔ علامہ ابن سعدؒ حضرت اوس بن خولیؓ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

وَكَانَ اَوْسُ بْنُ خَوْلِيٍ مِنَ الْكَمَلَةِ	اوس بن خولی کاملین میں شمار ہوتے تھے،
وَكَانَ الْكَامِلُ عِنْدَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ	عربوں کے نزدیک زمانۂ جاہلیت اور صدرِ
وَ اَوَّلِ الْاِسْلَامِ الَّذِي يَكْتُبُ	اسلام میں کامل وہ شخص ہوتا تھا جو عربی
بِالْعَرَبِيَّةِ وَيُحْسِنُ الْعَوْمَ وَالرَّمْيَ	زبان میں لکھتا تھا اور تیراکی اور تیر اندازی
وَقَدْ كَانَ اجْتَمَعَ ذَالِكَ فِي اَوْس	اچھی طرح جانتا تھا یہ سب باتیں اوس بن
بْنِ خَوْلِي ۔[1]	خولی میں پائی جاتی تھیں،

اس لیے صحابہ میں بھی جو بزرگ ان چیزوں میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ کامل کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے، چنانچہ حضرت اسید بن حُضیرؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت رافع بن مالکؓ عنہم کامل کے لقب سے مشہور تھے۔[2]

چونکہ کامل کے لقب میں صرف علوم دین ہی میں مہارت و کمال کا تصوّر نہیں بلکہ دوسرے فنون بھی شامل تھے۔ اس لیے بعد میں اس کا استعمال علمائے اسلام کے لیے خاص نہیں رہا اور نہ اس کا رواج ہُوا بلکہ بطور صفت کے ہر علم و فن کے ماہر کو کامل کہا جانے لگا۔

بقیہ: کُچھ تو کہیئے کہ لوگ کہتے ...

یہ ہے کہ ہمارے سیاست دانوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اور دوسرے کی آنکھ کا تنکا ڈھونڈتے ہیں اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے دوسرے کا دامن تار تار کرتے ہیں ۴۶ سال سے یہ ہی کچھ ہو رہا ہے جس طرح دولت چند خاندانوں کی ہو کر رہ گئی ہے اور اُن کی میراث بن گئی ہے۔ اسی طرح اقتدار بھی چند خاندانوں کا اجارہ ہو کر رہ گیا ہے۔ پیسے پر یہ کھیل جاگیردار وڈیرے خوانین و سردار کھیل رہے تھے اَب سرمایہ دار بھی ان میں شریک ہو گئے ہیں... عوام کا مقدر وہ ہی حسرت جو پہلے تھی سو اَب بھی ہے ... و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

اللہ تعالیٰ پاکستان کا حامی و ناصر اور حکومت کو نفاذ اسلام کی توفیق دے۔ آمین۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج: ۳، قسم دوم، ص: ۹۱۔

[2] طبقات ابن سعد ج: ۳، قسم اوّل بالترتیب، ص: ۱۳۶، ۱۴۲، ۱۴۸۔

دار الافتاء
جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد
مدرّس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

سوال: مندرجہ ذیل اُمور کے بارے میں برائے کرم قرآن و سُنّت کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

① مساجد کمیٹیوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ نیز ان کا دائرہ اختیار کیا ہے؟

② کیا ائمہ و خطباءِ ملّتِ اسلامیہ ان کمیٹیوں کے فیصلے و احکامات کے پابند ہیں؟ خصوصاً جبکہ:

الف: ارکان کمیٹی تعلیماتِ اسلامیہ سے ناواقف یا صوم و صلوٰۃ کے پابند نہ ہوں۔

ب: یہ لوگ مسئلہ ختمِ نبوّت کے بیان کو شر انگیز قرار دے کر بیان کرنے والے عُلماء کی تذلیل و تحقیر کریں۔

ج: شیعہ حضرات سے مسجد کے لیے چندہ وصول کر کے اُن کو کچھ نہ کہنے کا حکم جاری کریں۔

③ کیا امام و خطیب مذکورہ کمیٹیوں کی اجازت کے بغیر نمازیوں کے مشورے سے اوقات صلوٰۃ تبدیل کر سکتا ہے؟

④ جو آدمی امام کو اپنا نوکر و ملازم اور حقیر جانتے ہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اُن کی نماز ایسے امام کے پیچھے دُرست ہو جاتی ہے کہ نہیں؟

⑤ کن وجوہات کی بناء پر یہ کمیٹیاں امام و خطیب کو اپنے منصب سے ہٹانے کی مجاز ہوتی ہیں؟ اور ان کے کہنے پر بلا شرعی عذر ائمہ کو منبر و محراب خالی کر دینا چاہیے کہ نہیں۔

الجواب باسم ملهم الصواب حامدا و مصليا۔

استفتاء میں جو مسائل اُٹھائے گئے ہیں یہ بہت سی جگہوں میں پائے جاتے ہیں۔ مذکورہ سوالات کا

سیدھا جواب دینے سے حالات سدھر نہیں جائیں گے کیونکہ ایسے حالات میں عام طور سے جب تک طرفین شرعی حکم کو تسلیم کرنے کا عزم نہ رکھتے ہوں۔ سیدھا سیدھا حکم بتانا لاحاصل ہوتا ہے۔

ان حالات کے اسباب بہت سے ہیں۔ مثلاً

(۱) مساجد کی کمیٹی کے ارکان اکثر اوقات اپنی دنیوی وجاہت یا مال یا دنیوی عہدے کی بنا پر بنتے ہیں جن میں سے بہت سوں کو دین کی باتوں کی اہمیت لوگوں کو صحیح صحیح باتوں کی تبلیغ کی ضرورت اور گمراہیوں اور گمراہوں کی سازشوں کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ گمراہوں کے تذکرہ کو یہ لوگ فرقہ پرستی اور تعصب سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک دینی غیرت بھی مذموم تعصب ہی کا حصّہ ہے حالانکہ نہ تو ہر تعصب مذموم ہے اور دینی غیرت تو خود ایک مستقل قابلِ تعریف چیز ہے۔

یہ انگریزوں کے عطا کردہ نصاب تعلیم کی عجیب کرشمہ سازی ہے کہ مُسلمانوں کے اکثریتی گروپ کو فرقہ پرستی اور تعصب کا طعنہ دیا جاتا ہے اور خود اپنے ہی دیتے ہیں اور گمراہوں کو اقلیت سمجھ کر اُن کو قابلِ ہمدردی سمجھا جاتا ہے اور اُن کو ہر طرح کی رعایت کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ ان کے بے انتہا تعصّب اور پُر تشدّد بیانات کو بھی ہلکا سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ کسی کے باپ کو گالی دے دی جائے تو بدلہ لینے کو حق سمجھا جاتا ہے، لیکن کسی صحابی یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر سبّ وشتم کیا جائے تو یہ لوگ اس کے جواب کو فرقہ واریت پر محمول کرتے ہیں۔

(۲) بہت سوں کے اپنے طبع زاد مسائل ہوتے ہیں جو اُن کو شریعت کے بیان کردہ صحیح مسائل سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔

(۳) جو اُن میں سرکاری ملازمین ہوتے ہیں۔ اُن میں سے بہت سوں کو سرکاری کارروائی کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا وہ کسی ایسی بات کی جُرأت نہیں کرتے جس سے اُن کی ملازمت پر کچھ اثر پڑنے کا اندیشہ ہو۔

(۴) بعض ان میں سے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو حقائق کا علم بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ بھی بے خبری اور لاعلمی کی بنا پر مخالفت کرتے ہیں۔ ایسوں کے حق میں ضرورت ہوتی ہے کہ امام وخطیب ان لوگوں سے تعلّق بنائیں۔ ان سے خیر خواہی کریں۔ انفرادی مجلسوں میں ان سے مذکورہ مسائل میں گفتگو کریں۔

ان میں سے اچھے لوگ یقیناً حقائق کو سمجھیں گے اور اُن کی تبلیغ کی ضرورت کو بھی محسوس کریں گے۔

(۵) بعض اوقات ائمہ وخطبا کی اپنی علمی حیثیّت متوقع معیار سے کم ہوتی ہے جس کی بناء پر غلطیوں کا

صدور لوگوں کے دلوں سے اُن کی وقعت مزید کم کرنے کا باعث بنتا ہے۔

(۶) بعض اوقات محلّے میں رہنے والے با اثر شیعہ اور قادیانیوں یا دیگر گمراہوں سے خوف ہوتا ہے اس لیے کمیٹی والے ہر ایسے بیان کو شر انگیز قرار دیں گے جس سے اُن کی جانب سے کسی شکایت کا اندیشہ ہو۔

بہر حال اوّل تو ملازمت اختیار کرنے سے پہلے ہی شرائط و پابندیوں کے بارے میں دریافت کر لینا چاہیے۔ اگر کوئی غیر شرعی پابندی لگائی جاتی ہو تو ملازمت اختیار نہ کریں اور اگر ملازمت اختیار کر لی ہے اور برسرِ منبر ختم نبوّت اور دیگر حقائق کو بیان کرنے کی اجازت نہیں ملتی تو تبلیغ کا دوران ختم نہیں ہوگا ۔ انفرادی طور پر لوگوں سے گفتگو کریں، نمازیوں سے بھی اور مسجد کی انتظامیہ کے ان افراد سے بھی جو تیّار ہوں۔ بلکہ یہ تو زیادہ مؤثّر اور پائیدار طریقہ ہے۔ مختلف طریقوں سے تحریری شہادتوں کے ساتھ جب بات اُن کے سامنے رکھیں گے تو کچھ لوگ تو متأثّر ہوں گے جو متأثّر ہوں گے وہ ان حقائق کو خود آگے پہنچائیں گے۔ برسرِ منبر بھی یہ کام اس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی جماعت کا نام لیے بغیر آپ دین کی اصل تعلیمات بتاتے رہیے۔ اس سے سُننے والوں کو بُنیاد فراہم ہو جائے گی۔ پھر کبھی حالات سازگار ہوں تو اعلانیہ بھی ایسے بیان کر سکتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ مایوس نہ ہوں کام کرنے والے تو اپنے لیے خود راہیں فراہم کرتے ہیں ایک راہ بند ہوتی ہے تو دوسری راہ بنا لیتے ہیں اور کام کرنے کی راہیں بہت ہیں۔

سوالات ۲/ اور چار کے لیے تو مندرجہ بالا تحریر کافی ہے۔

نمبر۱۔ مسجد کمیٹی کی حیثیت مسجد کے متولی کی سی ہے۔ ان کے دائرہ اختیار میں مسجد کی دیکھ بھال اور اُس کا انتظام وغیرہ ہے جس میں امام وخطیب کا تقرر بھی ہے۔

نمبر۳۔ کمیٹی کی اجازت کے بغیر از خود دیگر نمازیوں کے مشورے سے وقت تبدیل نہ کرے اِلّا یہ کہ کمیٹی اس پر مجبور کرتی ہو کہ نمازیں وقت شروع سے پہلے یا وقت ختم ہونے کے بعد پڑھائیں یا مستحب وقت کا خیال نہ رکھیں، لیکن اُمیّد نہیں کہ کوئی انتظامیہ یا کمیٹی اس طرح کا حکم کرتی ہو۔

نمبر۵: امام وخطیب اپنا کام صحیح طریقے پر نہ کرتے ہوں، مثلاً سستی و لاپرواہی کرتے ہوں یا غلط مسائل بتاتے ہوں یا فسق کے مرتکب ہوں تو کمیٹی اُن کو معزول کر سکتی ہے۔ فقط؛ واللہ تعالیٰ اعلم۔

○

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

حج | حج ارکانِ اسلام میں سے ایک انتہائی اہم رُکن ہے جس کی ادائیگی اہلِ استطاعت کے ذمہ فرض ہے اور اس میں کوتاہی برتنے اور اسے ادا نہ کرنے پر سخت وعید وارد ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط : ۳ - ۹۷-

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں۔

"مَنْ لَّمْ یَمْنَعْہُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَآءَ یَھُوْدِیًّا وَّ اِنْ شَآءَ نَصْرَانِیًّا" [۱]

جس شخص کے لیے کوئی واقعی مجبوری حج سے مانع نہ ہو، ظالم بادشاہ کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو یا ایسا شدید مرض نہ ہو جو حج سے روک دے پھر وہ بغیر حج کیے مر جائے تو اس کو اختیار ہے کہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی مرے۔

مقاصدِ حج | مقاصد حج بہت سے ہیں البتہ سب سے اہم اور اصل مقصد اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلّق کا بڑھانا اور دُنیا کی محبّت اور اُس سے بے رغبتی پیدا کرنا ہے اگر یہ مقصد حاصل ہو تو سمجھیے کہ صحیح معنی میں حج ہُوا ورنہ نہیں۔

---

[۱] سنن دارمی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۲۲

حضرت ابوبکر شبلیؒ کا اپنے ایک سفرِ حج سے آنے والے مرید سے سوال و جواب

اس سلسلہ میں ہم ایک واقعہ پیش کر رہے ہیں یہ واقعہ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۳۴ھ) کا ہے آپ کے ایک مرید حج کر کے آئے تو آپ نے ان سے سوالات فرمائے۔ وہ مرید فرماتے ہیں کہ

○ مجھ سے شیخ نے دریافت فرمایا کہ تم نے حج کا ارادہ اور عزم کیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جی! پختہ قصدِ حج کا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ اُن تمام ارادوں کو ایک دم چھوڑنے کا عہد کر لیا تھا جو پیدا ہونے کے بعد سے آج تک حج کی شان کے خلاف کیے؟ میں نے کہا یہ عہد تو نہیں کیا تھا آپ نے فرمایا کہ پھر حج کا عہد ہی نہیں کیا۔

○ پھر شیخ نے فرمایا کہ احرام کے وقت بدن کے کپڑے نکال دیے تھے؟ میں نے عرض کیا جی بالکل نکال دیے تھے۔ آپ نے فرمایا اس وقت اللہ کے سوا ہر چیز کو اپنے سے جُدا کر دیا تھا؟ میں نے عرض کیا ایسا تو نہیں ہُوا۔ آپ نے فرمایا تو پھر کپڑے ہی کیا نکالے۔

○ آپ نے فرمایا وضو اور غُسل سے طہارت حاصِل کی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں بالکل پاک صاف ہوگیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس وقت ہر قسم کی گندگی اور لغزش سے پاکی حاصل ہوگئی تھی؟ میں نے عرض کیا یہ تو نہ ہُوئی تھی۔ آپ نے فرمایا پھر پاکی ہی کیا حاصِل ہُوئی۔

○ پھر آپ نے فرمایا لبّیک پڑھا تھا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں لبّیک پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے لبّیک کا جواب ملا تھا؟ میں نے عرض کیا مجھے تو کوئی جواب نہیں ملا، تو فرمایا کہ پھر لبّیک کیا کہا۔

○ پھر فرمایا کہ حرم محترم میں داخل ہُوئے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ داخل ہُوا تھا۔ فرمایا اُس وقت ہر حرام چیز کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ترک کا جزم کر لیا تھا؟ میں نے کہا یہ تو میں نے نہیں کیا۔ فرمایا کہ پھر حرم میں بھی داخل نہیں ہُوئے۔

○ پھر فرمایا کہ مکّہ کی زیارت کی تھی۔ میں نے عرض کیا جی زیارت کی تھی، فرمایا اس وقت دوسرے عالَم کی زیارت نصیب ہُوئی؟ میں نے عرض کیا اُس عالَم کی تو کوئی چیز نظر نہیں آئی، فرمایا پھر مکّہ کی بھی زیارت نہیں ہوئی۔

○ پھر فرمایا کہ مسجد حرام میں داخل ہُوئے تھے ؟ مَیں نے عرض کیا کہ داخل ہُوا تھا فرمایا کہ اس وقت حق تعالیٰ شانہٗ کے قرب میں داخلہ محسوس ہُوا ؟ مَیں نے عرض کیا کہ مجھے تو محسوس نہیں ہُوا، فرمایا کہ تب تو مسجد میں بھی داخلہ نہیں ہُوا۔

○ پھر فرمایا کہ کعبہ شریف کی زیارت کی ؟ مَیں نے عرض کیا کہ زیارت کی، فرمایا کہ وہ چیز نظر آئی جس کی وجہ سے کعبہ کا سفر اختیار کیا جاتا ہے مَیں نے عرض کیا کہ مجھے تو نظر نہیں آئی۔ فرمایا پھر تو کعبہ شریف کو نہیں دیکھا۔

○ پھر فرمایا کہ طواف میں رَمل کیا تھا ؟ (خاص طور سے دوڑنے کا نام ہے) مَیں نے عرض کیا کہ کیا تھا، فرمایا کہ اس بھاگنے میں دُنیا سے ایسے بھاگے تھے جس سے تم نے محسوس کیا ہو کہ تم دُنیا سے بالکل یکسو ہو چکے ہو۔ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں محسوس ہُوا، فرمایا کہ پھر تم نے رمل بھی نہیں کیا۔

○ پھر فرمایا کہ حجرِ اسود پر ہاتھ رکھ کر اُس کو بوسہ دیا تھا ؟ مَیں نے عرض کیا جی ایسا کیا تھا تو اُنھوں نے خوفزدہ ہو کر ایک آہ کھینچی اور فرمایا تیرا ناس ہو خبر بھی ہے کہ جو حجرِ اسود پر ہاتھ رکھے وہ گویا اللہ جل شانہٗ سے مصافحہ کرتا ہے اور جس سے حق سُبحانہٗ و تقدس مصافحہ کریں وہ ہر طرح سے امن میں ہو جاتا ہے تو کیا تجھ پر امن کے آثار ظاہر ہُوئے ؟ مَیں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو امن کے آثار کچھ بھی ظاہر نہیں ہُوئے، تو فرمایا کہ تُو نے حجرِ اسود پر ہاتھ ہی نہیں رکھا۔

○ پھر فرمایا کہ مقامِ ابراہیم پر کھڑے ہو کر دو رکعت نفل پڑھی تھی ؟ مَیں نے عرض کیا کہ پڑھی تھی، فرمایا کہ اس وقت اللہ جل جلالہٗ کے حضور میں ایک بڑے مرتبہ پر پہنچا تھا کیا اس مرتبہ کا حق ادا کیا جس مقصد سے وہاں کھڑا ہُوا تھا وہ پُورا کر دیا ؟ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے تو کچھ نہیں کیا، فرمایا کہ تُو نے پھر تو مقامِ ابراہیم پر نماز ہی نہیں پڑھی۔

○ پھر فرمایا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے لیے صفا پر چڑھے تھے ؟ مَیں نے عرض کیا چڑھا تھا، فرمایا وہاں کیا کیا ؟ مَیں نے عرض کیا کہ سات مرتبہ تکبیر کہی اور حج کے مقبول ہونے کی دُعا کی، فرمایا کیا تمہاری تکبیر کے ساتھ فرشتوں نے بھی تکبیر کہی تھی اور اپنی تکبیر کی حقیقت کا تمہیں احساس ہُوا تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم نے تکبیر ہی نہیں کہی۔

○ پھر فرمایا کہ صفا سے نیچے اُترے تھے ؟ مَیں نے عرض کیا کہ اُترا تھا، فرمایا اس وقت ہر

قسم کی علّت دُور ہو کر تم میں صفائی آ گئی تھی؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ نہ تم صفا پر چڑھے نہ اُترے۔

○ پھر فرمایا کہ صفا مروہ کے درمیان دوڑے تھے؟ مَیں نے عرض کیا کہ دوڑا تھا فرمایا کہ اس وقت اللہ کے علاوہ ہر چیز سے بھاگ کر اس کی طرف پہنچ گئے تھے؟ (غالباً فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ شعراء میں حضرت موسیٰؑ کے قصّہ میں ہے۔ دوسری جگہ اللہ کا پاک ارشاد ہے فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ) میں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ تم دوڑے ہی نہیں۔

○ پھر فرمایا کہ مروہ پر چڑھے تھے؟ مَیں نے عرض کیا کہ چڑھا تھا، فرمایا کہ تم پر وہاں سکینہ نازل ہُوا اور اس سے وافر حصّہ حاصل کیا؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ مروہ پر چڑھے ہی نہیں۔

○ پھر فرمایا کہ مِنیٰ گئے تھے؟ مَیں نے عرض کیا گیا تھا، فرمایا کہ وہاں اللہ جل شانہٗ سے ایسی اُمّیدیں بندھ گئی تھیں جو معاصی کے حال کے ساتھ نہ ہوں؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہ ہو سکیں؛ فرمایا کہ مِنیٰ ہی نہیں گئے۔

○ پھر فرمایا کہ مسجد خَیف میں (جو مِنیٰ میں ہے) داخل ہُوئے تھے؟ مَیں نے عرض کیا داخل ہُوا تھا، فرمایا کہ اس وقت اللہ جل شانہٗ کے خوف کا اس قدر غلبہ ہو گیا تھا جو اُس وقت کے علاوہ نہ ہُوا ہو؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ مسجد خیف میں داخل ہی نہیں ہُوئے۔

○ پھر فرمایا کہ عرفات کے میدان میں پہنچے تھے؟ مَیں نے عرض کیا کہ حاضر ہُوا تھا، فرمایا کہ وہاں اس چیز کو پہچان لیا تھا کہ دُنیا میں کیوں آئے تھے؟ اور کیا کر رہے ہو اور کہاں اَب جانا ہے اور ان حالات پر متنبّہ کرنے والی چیز کو پہچان لیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں فرمایا کہ پھر تو عرفات پر بھی نہیں گئے۔

○ پھر فرمایا کہ مزدلفہ گئے تھے؟ مَیں نے عرض کیا کہ گیا تھا فرمایا کہ وہاں اللہ جل شانہٗ کا ایسا ذکر کیا تھا جو اس کے ماسوا کو دل سے بُھلا دے؟ (جس کی طرف قرآن پاک کی آیت فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ میں اشارہ ہے) مَیں نے عرض کیا کہ ایسا تو نہیں ہُوا فرمایا کہ پھر تو مزدلفہ پہنچے ہی نہیں۔

○ فرمایا کہ مِنیٰ میں جا کر قربانی کی تھی؟ مَیں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ اس وقت اپنے

نفس کو ذبح کر دیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر تو قربانی ہی نہیں کی۔

○ پھر فرمایا کہ رمی کی تھی؟ (یعنی شیطانوں کے کنکریاں ماری تھیں) مَیں نے عرض کیا کہ کی تھی، فرمایا کہ ہر کنکری کے ساتھ اپنی سابقہ جہل کو پھینک کر کچھ علم کی زیادتی محسوس ہُوئی۔ مَیں نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ رمی بھی نہیں کی۔

○ پھر فرمایا کہ طوافِ زیارت کیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا، کیا تھا، فرمایا اُس وقت کچھ حقائق منکشف ہُوئے تھے اور اللہ جل شانہٗ کی طرف سے تم پر اعزاز و اکرام کی بارش ہُوئی تھی اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والا اللہ کی زیارت کرنے والا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جائے اُس پر حق ہے کہ اپنے زائرین کا اکرام کرے۔ مَیں نے عرض کیا کہ مجھ پر تو کچھ منکشف نہیں ہُوا، فرمایا تم نے طوافِ زیارت بھی نہیں کیا۔

○ پھر فرمایا کہ حلال ہُوئے تھے؟ (احرام کھولنے کو حلال ہونا کہتے ہیں) مَیں نے عرض کیا ہوا تھا فرمایا کہ ہمیشہ حلال کمائی کا اس وقت عہد کر لیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا نہیں، فرمایا کہ تم حلال بھی نہیں ہُوئے۔

○ پھر فرمایا کہ اَلْوَدَاعی طواف کیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا کیا تھا فرمایا اس وقت اپنے تن مَن کو کلیۃً اَلْوَدَاع کہہ دیا تھا؟ مَیں نے عرض کیا نہیں، فرمایا کہ تم نے طوافِ وداع بھی نہیں کیا۔ پھر فرمایا، دوبارہ حج کو جاؤ اور اس طرح حج کر کے آؤ جس طرح مَیں نے تم سے تفصیل بیان کی۔[1]

○

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

---

[1] فضائل حج ص: ٥٠ تا ٥٣ - مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رح